http://ataunnabi.blogspot.in

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صوفی باصفا امام احمد رضا

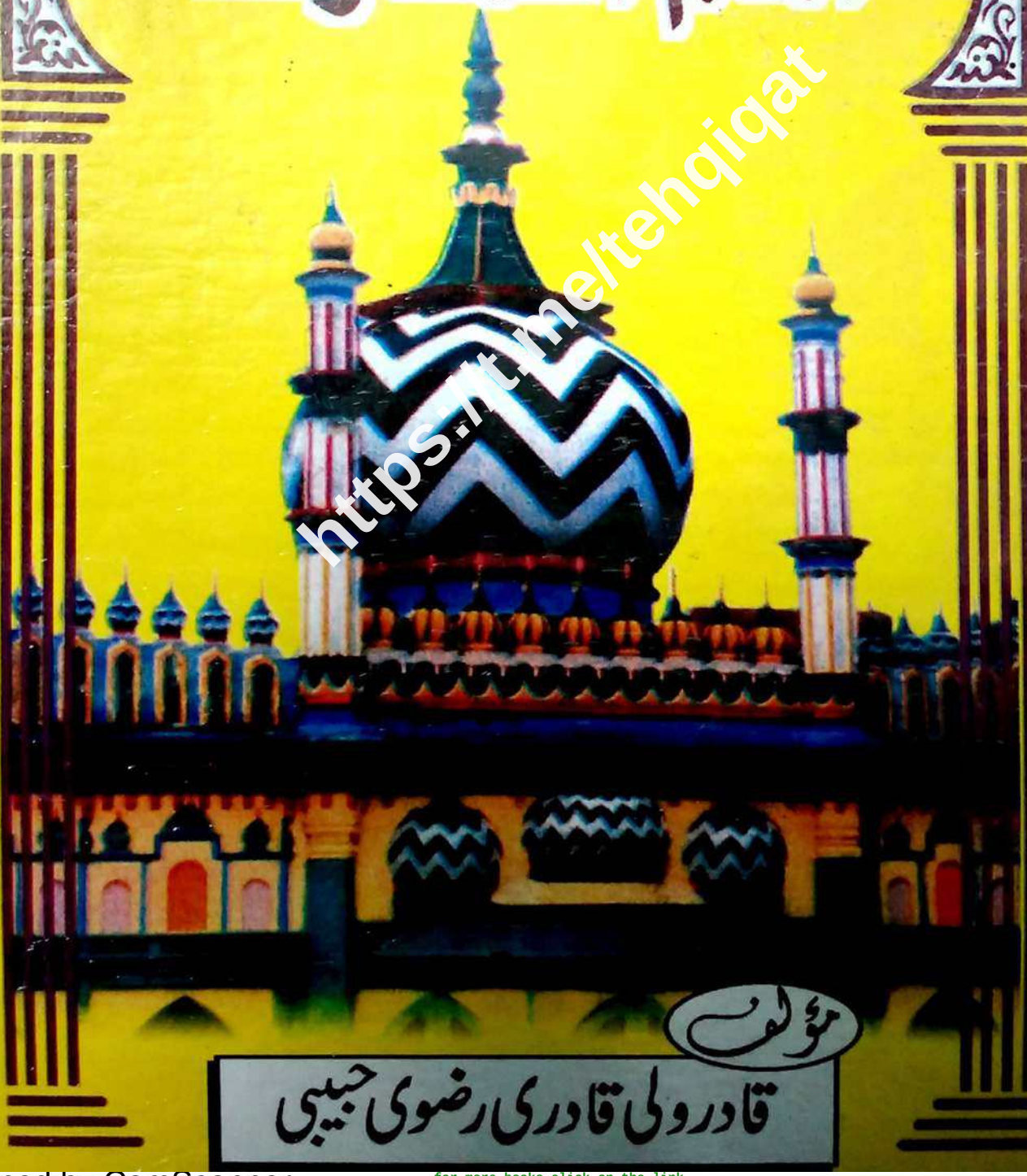

https://t.me/tehqiqat

مؤلف

قادر ولی قادری رضوی حبیبی

Scanned by CamScanner
for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

C جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

قادر ولی قادری رضوی حبیبی

نام کتاب	:	صوفی باصفا۔۔امام احمد رضا
مصنف	:	قادر ولی قادری رضوی حبیبی
نظر ثانی	:	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری (پی ایچ ڈی)
سن اشاعت	:	۲۰۰۸ء
صفحات	:	۱۹۸
تعداد	:	ایک ہزار
قیمت	:	ایک سو روپے
ناشر	:	**حبیب ملت اکیڈمی**
		شاخ ادونی (ضلع کرنول) اے۔پی

ملنے کے پتے:

☆ قادر ولی قادری رضوی حبیبی، 23/87، رضا منزل، کاروان پیٹ، ادونی (اے۔پی)

فون: 08512-223164 موبائل: 09440212592

☆ کلیم بک ڈپو، احمد آباد

☆ ہندوستانی بک ڈپو، شاہی جامع مسجد، ادونی۔518301 (اے۔پی)

۷۸۶

۹۲

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب پاک کے صدقے میں محب محترم جناب مولینا قادر ولی رضوی حبیبی کو دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے اور ان کی گرانقدر تصنیف ''صوفی باصفا احمد رضا'' کو شرف قبول عطا فرمائے اور انہیں دین متین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی توفیق رفیق بخشے۔آمین بجاہ سید المرسلین

محمد عبدالتواب قادری حبیبی

حال مقیم جمالپور احمد آباد

یکم صفر المظفر ۱۴۲۹ھ مطابق ۹ فروری ۲۰۰۸ء

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

مشمولات

انتساب	۴
پیش لفظ	۵
حقیقت تصوف	۹
تقریظ	۱۴
مقدمہ	۲۱
کتاب اور موضوع کتاب	۴۱
امام احمد رضا کا علم و عمل	۸۹
امام احمد رضا کا عشق رسول	۱۳۱
امام احمد رضا کی کرامات	۱۷۰
کتابیات	۲۰۸

باسلمہٖ تعالیٰ

انتساب

اعلیٰ حضرت قدس سرّہ العزیز کے پیرومرشد

امام المتکلّمین

حضرت سیدّنا آلِ رسول رحمۃ اللہ علیہ

مارہرہ شریف

کے نام

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

پیش لفظ

قادر ولی قادری رضوی حبیبی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرّہ العزیز کی شخصیت اور اُن کے کارناموں کو سمجھنے اور سمجھانے کا کام گذشتہ ربع صدی سے بڑی تیزی سے ہو رہا ہے۔ مختلف موضوعات پر مضامین، کتابیں اور تحقیقی مقالے لکھے جا چکے ہیں اور لکھے جا رہے ہیں۔ یہ سرمایہ اب اتنا کچھ ہے کہ اس کو باقاعدہ ''رضویات'' کا نام دیا گیا ہے۔

خود اعلیٰ حضرت قدس سرّہ العزیز کی تصنیف کردہ چھوٹی بڑی کتابوں کی تعداد احتیاط اندازے کے مطابق تقریباً ایک ہزار ہے۔ شاید ہی دنیا کا کوئی عالم، ادیب یا دانشور ایسا ہو جس نے اپنی رشحاتِ قلم کا اتنا بڑا انبار اپنی قوم و ملّت کے لئے چھوڑا ہو۔ آپ نے اس جہانِ فانی میں پینسٹھ (۶۵) سال قیام فرمایا جن میں سے پندرہ سال تیاری کے زمانے کے طور پر نکال بھی دیئے جائیں تو صرف پچاس سال رہ جاتے ہیں اور اِن پچاس سالوں میں تصنیف و تالیف کا اتنا بڑا سرمایہ پیچھے چھوڑ جانا کوئی معمولی بات نہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک صدی کی حیات پانے والے عالم سے بھی نہ ہونے والا کام آپ نے صرف نصف صدی میں کر دکھایا ہے۔ میرے

نزدیک یہ آپ کی ایک ایسی کرامت ہے جو جمایت علماء و جمعیۃ صوفیاء میں آپ کو ممتاز کرتی ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرّہ العزیز علوم و معارف کا ایک پہاڑ تھے۔ جن کے قریب پہنچ کر بڑے سے بڑا عالم و فاضل بھی اس تربت پر فخر محسوس کرنے لگتا تھا۔ علاّمہ بدرالدین احمد صاحب قادری رضوی نے ''سوانحِ اعلیٰ حضرت'' میں اُنسٹھ (۵۹) علوم کا ذکر کیا ہے جن پر اعلیٰ حضرت کو قدرت حاصل تھی لیکن جدید تحقیق کی روشنی میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ آپ اسّی (۸۰) علوم پر عبور رکھتے تھے۔ ذاتِ واحد کا اتنے سارے علوم پر قدرت رکھنا محیر العقول بات ضرور ہے لیکن میری نظر میں یہ بھی اعلیٰ حضرت قدس سرّہ العزیز کی کرامت ہے۔

خانوادۂ عظیم اعلیٰ حضرت قدس سرّہ العزیز سے مجھے جو نسبت ہے اس نے مجھے رضویہ لٹریچر کے جمع کرنے کا ذوق عطا کیا ہے۔ چنانچہ میرے ذاتی کتب خانے کی زینت اعلیٰ حضرت قدس سرّہ العزیز کی وہ ساری کتابیں ہیں جو شائع ہو کر منظرِ عام پر آ چکی ہیں اور تقریباً وہ تمام کتابیں بھی ہیں جو آپ سے متعلق لکھی جا چکی ہیں، ان کا مطالعہ میرے علمی ذوق کا ایک اہم حصّہ ہے۔

اُن کتب کے مطالعے کے دوران مجھے اکثر یہ خیال آتا رہا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرّہ العزیز کا تعارف عوام سے ایک صوفی باصفا کی حیثیت سے کراؤں اس لئے کہ ایک باکمال صوفی کیلئے جتنے عناصر ضروری ہوتے ہیں وہ تمام آپ کی ذات میں جلوہ آرا ہونے کے باوجود آپ کے اِس وصف کا اظہار بہت کم ہی لوگوں نے کیا

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

ہے۔ جہاں تک میری نظر ہے صرف سات اہلِ قلم حضرات نے آپ کو صوفی قرار دیا ہے۔ میرے خیال میں آپ پہلے صوفی ہیں اور پھر سب کچھ، چنانچہ اِس موضوع پر میں نے مواد جمع کرنا شروع کیا، جب کافی مواد اکٹھا ہوگیا تو اس کی ترتیب و تزئین کا معاملہ میرے سامنے تھا جس کے لئے مجھے ایک قابل اور اعلیٰ حضرت قدس سرّہ العزیز سے محبت رکھنے والی شخصیت کی تلاش تھی، اِسے میں حسن اتفاق کہوں یا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا فیضانِ کرم کہ ڈاکٹر سیّد وحید کوثر، صدرِ شعبۂ اردو، ادونی آرٹس اینڈ سائنس کالج، ادونی) سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے موصوف سے اپنے اِس خیال کا اظہار کیا تو ڈاکٹر صاحب نے اِس کام میں میری مدد اور تعاون کا وعدہ فرمایا۔ باوجود اِس کے ڈاکٹر صاحب کی مصروفیات اور کچھ میرے تساہل سے ایک سال کا عرصہ یوں ہی گذر گیا۔ ۲۰۰۵ء کی گرمائی تعطیلات میں ڈاکٹر صاحب نے اِس کام کو اپنی توجہ اور انہماک سے تکمیل تک پہنچایا اور مقدمہ لکھنے کی زحمت بھی گوارا فرمائی جس کے لئے میں آپ کا صمیمِ قلب سے شکر گذار ہوں۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہمیشہ خانوادۂ رضویہ کے بزرگوں کی دُعائیں میرے ساتھ رہتی ہیں۔ چنانچہ اِس علمی کام کی تکمیل بھی ان ہی بزرگوں کی دُعاؤں کا نتیجہ ہے۔ خاص طور پر تاج العلماء مفتیٔ دوراں حضرت شاہ اختر رضا خاں ازہری جانشینِ حضرت مفتی اعظم ہند قبلہ اور سیدی و مرشدی و مولائی و آقائی، حبیبِ ملّت، خلیفۂ حضور مجاہدِ ملت حضرت شاہ محمد عبد القوی صاحب قادری حبیبی مدظلہ العالی کی دُعائیں میرے اس کام کی تکمیل میں میرے ساتھ ہیں۔ میں اپنی دلی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے

آج بھی اِن بزرگوں سے طالبِ نظرِ الطاف و کرم ہوں۔

محترم المقام حضرت سید ڈاکٹر وحید کوثر ادونی وحضرت ڈاکٹر یحییٰ انجم مصباحی اور عالی قدر جناب ڈاکٹر نجم القادری، مفکر اسلام حضرت مفتی شفیق عالم احمد شرفی رضوی اور محترم شیخ صابر حسین حبیبی و تمامی حضرات کا بھی تہ دل سے شکر گذار ہیں کہ میری اس تصنیف پر اپنے زرین خیالات و تأثرات کا اظہار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اِن تمام حضرات کو ثواب دارین عطا فرمائے۔

میں اپنے عزیز ساتھی جناب محمد صدّیق نقوی کا بھی شکر گذار ہوں کہ اُن کا ساتھ اِس کام کی تکمیل میں ہمیشہ رہا۔

کلیم بک ڈپو کی روح رواں شخصیت جناب کلیم صاحب کی عنایتوں اور کرم فرمائیوں کو میں کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔ سچ تو یہ ہے میرے اِس علمی کام کو منظرِ عام پر لانے میں ان ہی کا صد فیصد حصّہ رہا ہے۔ ان کا میں حد درجہ شکر گذار ہوں، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازے۔ آمین۔

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

حقیقت تصوف

مفتی شفیق احمد شریفی رضوی قادری

بانی افضل المدارس الہ آباد، یوپی

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

تصوف ! کیاھے ؟

۱)حضرت سیدی ابوالقاسم نصیر آبادی فرماتے ہیں۔التصوف ملازمة الکتاب والسنة الخ (طبقات کبریٰ ص۱۲۲)

ترجمہ:تصوف کی جڑ یہ ہے کہ کتاب وسنت کولازم پکڑے رہے۔

۲)سیدی ابوعبداللہ محمد بن حنیف جنی فرماتے ہیں۔ التصوف تصفیة القلوب وذکراوصافاًالی ان...... قال واتباع النبی ﷺ فی الشریعت۔(طبقات کبریٰ امام شعرانی ص۱۸)

ترجمہ:تصوف اس کا نام ہے کہ دل صاف کیا جائے اور شریعت میں نبی کریم ﷺ کی پیروی میں ہے۔

۳)سیدنا سری سقطی فرماتے ہیں التصوف اسم لثلث معانی هوالذی لایطفی نور معرفته نورورعه ولایتکلم بباطن فی علم ینقضهٗ

ظاهر الکتاب فلا تحمله الکرامات علی هتك الاستاد محارم الله۔

تصوف تین وصفوں کا نام ہے ایک یہ کہ اس کا نور معرفت اس کے نور ورع کو نہ بجھائے دوسرے یہ کہ باطن سے کسی ایسے علم میں بات نہ کرے کہ ظاہر قرآن یا ظاہر حدیث کے خلاف ہو تیسرے یہ کہ کرامتیں اسے ان چیزوں کی پردہ دری پر نہ لائیں جو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمائیں۔

۴)امام اجل عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں۔

التصوف:انما هوزبدة عمل العبد باحکام الشریعة۔

تصوف کیا ہے بس احکام شریعت پر بندہ کے عمل کا خلاصہ ہے۔

پھر فرماتے ہیں:

علم التصوف من تضرع من عین الشریعة۔

علم تصوف شریعت سے نکلی ہوئی جھیل ہے۔(مقال العرفاء)

روح تصوف

صوفیاء کرام وائمہ طریقت کے ارشادات سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ صوفی وہی ہوگا جو اطاعت الٰہی واتباعِ رسول میں مخلص ہو اور یہ کہ صوفی کیلئے علم الشریعت لازم ہے امام الطائفہ سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیرومرشد سیدنا سری سقطی نے انہیں یہ دعا دی" جعلك الله صاحب حدیث صوفیا ولاجعلك صوفیا قبل صاحب حدیث" اللہ تعالیٰ تمہیں حدیث داں کر کے صوفی بنائے اور حدیث داں ہونے سے پہلے تمہیں صوفی نہ کرے۔

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

حجۃ الاسلام سیدنا امام غزالی احیاء العلوم میں اس کی شرح میں فرماتے ہیں

"اشار الی من حصل الحدیث والعلم ثم تصوف افلح ومن تصوف قبل العلم خاطر بنفسہٖ" یعنی حضرت سری سقطی نے اس طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ جس نے حدیث وعلم حاصل کر کے تصوف میں قدم رکھا وہ فلاح کو پہنچا اور جس نے علم حاصل کرنے سے پہلے صوفی بننا چاہا اس نے اپنے کو ہلاکت میں ڈالا۔

اسی لئے جو علم شریعت سے آگاہ نہیں دربارۂ طریقت اس کی اقتدا نہیں نہ اسے پیر بنانے کی اجازت ہے کیونکہ یہ علم طریقت بالکل کتاب وسنت کا پابند ہے۔ سیدی ابوالقاسم جنید بغدادی فرماتے ہیں من لم یحفظ القرآن ولم یکتب الحدیث لایقتدیٰ بہ فی ھذاالامر لان علمنا ھذامقید بالکتاب والسنۃ (رسالہ قشیریہ) نیز فرمایا الطرق کلھا مسدودۃ علی الخلق الامن اقتفی اثرالرسول علیہ اصلوٰۃ والسلام، خلق پر تمام راستے بند ہیں مگر وہ جو رسول اللہ ﷺ کے نشان قدم کی پیروی کرے۔

حضرت سیدی ابو حفص محمد حداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کہ اکابر ائمہ عرفاء ومعاصرین حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہیں فرماتے ہیں، من لم یزن افعالہ واحوالہ فی کل وقت بالکتاب والسنۃ ولم یتم خواطرہ فلاتعدۃ فی دیوان الرجال (قشیریہ)

جو ہر وقت اپنے تمام کام تمام احوال کو قرآن وحدیث کی میزان میں نہ تولے اور اپنے اردات قلب پر اعتماد کرے اسے مردوں کے دفتر میں نہ گنو۔

شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین سہروردی رضی اللہ عنہ سردار سلسلۂ عالیہ سہروردیہ اپنی کتاب مستطاب میں فرماتے ہیں "کچھ فتنہ کے مارے ہوؤں نے صوفیوں کے لباس پہن لیا ہے کہ صوفی کہلائیں حالانکہ ان کو صوفیہ سے کچھ علاقہ نہیں بلکہ وہ غرور غلط میں بکتے ہیں کہ ان کے دل خالص خدا کی طرف ہو گئے ہیں اور یہی مراد کو پہنچ جانا ہے اور رسوم شریعت کی پابندی یہ عوام کا مرتبہ ہے ان کا یہ قول خالص الحاد زندقہ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے دور کیا جانا ہے اس لئے کہ جس حقیقت کو شریعت رد فرمادے وہ حقیقت نہیں بے دینی ہے (عوارف المعارف جلد اول ص ۴۲) حضرت سیدنا ابراہیم دسوقی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "الشریعۃ الشجرۃ والحقیقۃ ھی الثمرۃ" شریعت درخت ہے اور حقیقت پھل۔

اور محدث جلیل مجدد اعظم بریلوی علیہ الرحمۃ مقال العرفاء میں فرماتے ہیں "شریعت مطہرہ ایک ربانی نور کا فانوس ہے کہ دینی عالم میں اس کے سوا کوئی روشنی نہیں اس کی روشنی کی بڑھنے کی کوئی حد نہیں زیادت چاہنے افزائش پانے کے طریقے کا نام طریقت ہے یہ روشنی بڑھ کر صبح پھر آفتاب اور پھر اس سے بھی غیر متناہی درجوں زیادہ تک ترقی کرتی ہے جس سے حقائق اشیاء کا انکشاف ہوتا اور نور حقیقی تجلی فرماتا ہے یہ مرتبہ علم میں معرفت اور مرتبہ تحقیق میں حقیقت ہے وہی ایک شریعت ہے کہ باختلاف مراتب اس کے مختلف نام رکھے جاتے ہیں (مقال العرفاء)

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

تصنیف لطیف ''صوفی باصفا امام احمد رضا'' کا مطالعہ آپ کی روح میں بالیدگی قلب کو سکون اور نظر کو قرار عطا کرے گا کیوں کہ انہوں نے نہایت محنت ولگن سے دلائل و براہین کا ایک خزانہ آپ کے ہاتھوں میں دیدیا اور تحقیق وتدقیق وواقعاتی شواہد سے یہ ثابت فرمایا کہ بلاشبہ امام احمد رضا محدث بریلوی نہ صرف ایک محدث مفتی مجتہد مجدد تھے بلکہ وہ صوفیاء عظام کے بھی اپنے وقت کے قائد اعظم تھے جنہوں نے ایک طرف علمائے ربانین کا مقدس گروہ اپنے فیضان علمی سے تیار کیا تو دوسری طرف صوفیاء کرام عارفین عظام اور اولیاء کرام کا ایک بابرکت طبقہ بھی تربیت نفس وتزکیہ قلب کے ذریعہ ملت کے حوالے کیا تا کہ ملت اسلامیہ کے تحفظ وبقاء کی ذمہ داری جوان پر بحیثیت مجدد اعظم تھی اس عہدۂ جلیلہ ومنصب عظیم کا پورا حق ادا کیا جاسکے۔

مولانا قادر ولی، پوری جماعت کی طرف سے بالعموم اور سلسلہ عالیہ رضویہ کے محبین ومتوسلین کی طرف سے بالخصوص قابل مبارکباد ہیں جنہوں نے ایک نئے موضوع پر قلم اٹھا کر ان متصوفین کی آنکھیں کھول دیں جو یہ کہتے نہیں تھکتے کہ مولانا احمد رضا صرف اور صرف ایک عالم تھے نہ کی ولی اللہ جبکہ رب العالمین جل مجدہ نے اولیاء اللہ کی تعریف میں فرمایا: الذین امنوا و کانوا یتقون ،اور امام احمد رضا محدث بریلوی کی زندگی کا مطالعہ کرنیوالا کوئی بھی غیر متعصب عالم ونقاد ان کے ایمان باللہ اطاعت الٰہی واتباعِ رسول، وعشقِ رسول کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مولا تعالیٰ مولانا ولی قادری کو اس تحقیق کا اجر جمیل عطا فرمائے اور اس کتاب کو شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

تقریظ

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

صدرِ شعبۂ علوم اسلامیہ، ہمدرد یونیورسٹی، نئی دہلی۔۱۱۰۰۶۲

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرّحمۃ والرّضوان عہدِ حاضر کے نابغۂ روزگار تھے۔ اُن کی عبقری شخصیت صرف برِّصغیر ہی کے لئے نہیں بلکہ عالمِ اسلام کے لئے نمونہ تھی۔ وہ علم وفن کے بحرِ ذخّار، فضل وکمال کے دُرِّ شاہکار، رُشد وہدایت کے تاجدار اور میدانِ تصنیف وتالیف کے شہ سوار تھے۔ مختلف علوم وفنون میں اُن کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے زائد بتائی جاتی ہے۔ اُن کی ایک تصنیف ''العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ'' بارہ ضخیم جلدوں میں شائع ہوچکی ہے جس کی بعض جلدیں جہازی سائز کے ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ اب اِن جلدوں کو ترتیبِ جدید کے ساتھ تہذیب، تسہیل اور تخریجِ احادیث کے ذریعے شائع کیا جارہا ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق اِس کی صرف چار جلدیں بارہ جلدوں میں پھیل گئی ہیں اِس طرح بلاشُبہ اُن کا یہ کارنامہ فقۂ اسلامی کا عظیم انسائیکلوپیڈیا ہے۔

فاضلِ بریلوی کی عظیم شخصیت اور اُن کی گراں قدر خدمات کے تعلق سے

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

دنیا کے مختلف حصّوں میں مختلف جہتوں سے کام ہو رہا ہے لیکن ہمارے محققین نے زیادہ تر اُن کی ادبی شخصیت ہی کو موضوعِ قلم بنایا ہے۔ کسی نے عربی، کسی نے فارسی اور کسی نے اردو زبان و ادب کے تعلق سے جو اُن کی نگارشات ہیں اُن پر ریسرچ کر کے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی ہے۔ ادب کے علاوہ اُن کی فقہی بصیرت پر بھی کام ہوا ہے۔ اس تعلق سے بھی چھوٹی بڑی کئی ایک تحقیقی نگارشات سامنے آئی ہیں۔ آج سے تقریباً بیس پچیس سال قبل اردو زبان و ادب میں جو کام اُن کی شخصیت پر ہوا تھا اُس کی ایک فہرست تیار کی تھی اُس وقت وہ فہرست بھی تقریباً سو (۱۰۰) کے قریب پہنچ رہی تھی۔ اِس بیس سال کے عرصے میں چونکہ مختلف جہتوں سے اربابِ قلم نے اُن کی شخصیت کو موضوعِ قلم بنایا ہے اِس لئے ضرورت ہے کہ بیسویں صدی کے اختتام تک اِس طرح کی ایک اور جامع فہرست اجمالی طور پر ہی سہی مُرتّب کی جائے تا کہ اُن کے معتقدین اور مدّاحوں نے اُن کی علمی، ادبی، سیاسی و سماجی خدمات اور دیگر زرّیں کارناموں کے تعلق سے جو کام کیا ہے وہ ایک نظر میں اربابِ دین و دانش کے سامنے آسکے اور اِس طرح ہم اپنا احتساب کر سکیں کہ اپنے اِس رہنما کے تئیں جس کی بدولت ایمان کو نکھار اور عشقِ رسول کی دولتِ بیدار میسّر ہوئی کتنے مخلص ہیں اور یہ بھی واضح ہو سکے کہ جن پہلوؤں پر بیسویں صدی میں کام نہیں ہوا ہے اکیسویں صدی میں انہیں عنوانِ قلم بنایا جائے تا کہ اِس طرح اُن کی شخصیت اور کارناموں کا مکمل احاطہ کیا جا سکے۔

یہ دعویٰ تو بہ بانگِ دہل کیا جاتا ہے کہ امام احمد رضا فاضلِ بریلوی کے نوکِ قلم سے ایک ہزار سے زائد تصانیف منظرِ عام پر آئیں مگر کہیں یکجا طور پر اُن تصانیف

کی فہرست میسّر نہیں۔ اُن کے دورِ حیات ہی میں مَلِک العلماء حضرت مولانا ظفر الدّین قادری رحمتہ اللہ علیہ (م ۱۹۶۲ء) نے ''المجمل العدد لتالیفات المجدّد'' کے نام سے ایک کتابچہ مُرتّب کیا تھا جس میں صرف ۳۵۰ کتابوں کے اسماء درج تھے۔ اُس کے بعد اِس قسم کی ایک کوشش ''المیزان'' بمبئی کے ''امام احمد رضا نمبر'' کی اشاعت کے وقت ہوئی۔ اِس طویل فہرست میں فاضلِ بریلوی کی جتنی تصانیف کا اندراج تھا اُن کی تعداد ۵۴۸ تھی۔ ''انوارِ رضا'' نام سے وہی نمبر مکتبہ حنفیہ لمیٹڈ لاہور نے شائع کیا، بغیر کسی حذف و اضافہ کے وہی فہرست اِس میں بھی شائع کی گئی۔ اُس کے بعد فاضلِ بریلوی کی کئی ایک تصانیف جو بہ خطِّ مُصنّف تھیں انہیں زیورِ طبع سے آراستہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ لیکن ایسی کوئی فہرست ہمارے پاس نہیں ہے جسے اُن کے معاندین کے سامنے پیش کیا جا سکے اور فاضلِ بریلوی کی وہ کتب زمانہ کی دست برد کا شکار ہونے سے محفوظ رہ سکیں۔ رضا اکیڈمی بمبئی، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی دیگر اکیڈیمیوں اور تنظیمی اداروں کی مدد سے یہ کام بہ حُسن و خوبی انجام دے سکتے ہیں۔

فاضلِ بریلوی نے خود کتنا کام کیا ہے، اِس کے اعتراف میں دوسرے اہلِ قلم نے جو اُن پر کام کیا ہے، ہم کو اس سے متعارف کرانے کی ضرورت ہے۔ ہم اکیسویں صدی میں داخل ہو چکے ہیں، چاہئے تو تھا کہ ہم اپنے ماضی کا احتساب کرتے اور پھر اس کی روشنی میں مستقبل میں کام کے منصوبے اور لائحہ عمل بناتے مگر ایسا نہ کر کے ہم اپنی پرانی رَوِش پر گامزن ہیں اور تحریروں کے ڈھیر لگاتے چلے جا رہے ہیں۔ اُن کی شخصیت اور کارناموں کے تعلق سے جس قدر بھی کام ہوا ہے اُس کے معیار میں تو کلام

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

ہوسکتا ہے مگر مقدار میں شاید ہی کسی کو کلام ہو۔ بشمول اقبالؔ و غالبؔ عہدِ حاضر کی کوئی ایسی شخصیت ہو جس پر اتنی کتابیں لکھی گئی ہوں مگر ان کے معتقدین کا حلقۂ اشاعت بھی ہے اور مخصوص بھی، اس لئے اقبال و غالب سے تو سب واقف ہیں اور فاضلِ بریلوی سے نہیں۔ اکیسویں صدی میں ان تمام پہلوؤں پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

امام احمد رضا فاضلِ بریلوی کی شخصیت اور کارناموں کے تعلق سے جتنا بھی کام ہوا ہے خواہ وہ کیسا ہی ہو ہم اس کی پذیرائی کرتے ہیں اور اس لئے اظہارِ مسرّت کرتے ہیں کہ اُن کے معتقدین اور محبین کا جمود ٹوٹا اور وہ اِس چیز کی طرف متوجہ ہوئے ہیں جو وقتی نہیں بلکہ دائمی ہے۔ فاضلِ بریلوی کی زندگی کے بہت سے پہلو ایسے ہیں جن پر باضابطہ کام کرنے کی ضرورت ہے اِس میں اُن کی شخصیت کا روحانی پہلو بھی ہے۔ رُشد و ہدایت سے متعلق اُن کی سرگرمیوں کا جائزہ لینا اس لئے ضروری ہے کہ مادّیت پرستی کے اس دور میں ہر انسان ہوس پرستی اور ہوسنا کی کا شکار ہو کر اپنے معبود اور پالنہار سے بہت دور جا چکا ہے اور مادّیت ہی کو اس نے اپنی اصل سمجھ رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے آج دنیا میں شر و فساد، مار دھاڑ اور قتل و غارت گری کی گرم بازاری کے سبب ایک انسان دوسرے انسان ہی کو نہیں بلکہ ایک مُلک دوسرے مُلک کو اپنی ہوا و ہوس کا نشانہ بنانے پر تُلا ہوا ہے۔ ہر سال کروڑوں نہیں بلکہ اربوں روپیہ انسانی جانوں کو تباہ و برباد کرنے پر خرچ کیا جا رہا ہے۔ ایسے ماحول میں صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین کی تعلیمات اور اُن کا پیغامِ امن عام کرنے کی ضرورت ہے تا کہ ایک انسان کے دل میں دوسرے انسانوں کے تئیں اخوت و بھائی چارہ اور میل و محبت کا

جذبہ بیدار ہو سکے اور مُلک و سماج دونوں فتنہ و فساد کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہ سکیں۔

فاضلِ بریلوی علیہ الرّحمۃ والرّضوان کے تعلق سے ایک بات جو سماج میں بُری طرح پھیلی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان کی خانقاہوں میں جتنی غیر شائستہ اور غیر اسلامی حرکتیں ہو رہی ہیں اس کے موجد وہی ہیں۔ اُن کی شخصیت پر یہ ایک ایسا بُہتان ہے جس کا واقعیت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ عجیب سی بات ہے کہ آج کل جو کچھ خانقاہوں میں ہو رہا ہے اسے تصوّف کا نام دِیا جا رہا ہے یہی وجہ ہے اربابِ دین و دانش کا ایک طبقہ تصوّف سے بیزار ہے جس کے سبب خانقاہوں کی عظمت اور تعلیماتِ بزرگانِ دین کی اہمیت اُن کے دلوں سے نِکل چکی ہے۔ شراب کی حُرمت اپنی جگہ مسلّم ہے خواہ وہ میکدے میں پی جائے یا کسی مسجد میں، بُرا کام اچھی جگہ کرنے سے اُس کی حُرمت زائل نہیں ہو جاتی۔ جو غیر اسلامی حرکتیں خانقاہوں میں ہو رہی ہیں اُن کا تعلق نہ اسلام سے ہے اور نہ ہی تصوّف سے، جو کچھ تصوّف ہے وہ سب کا سب اسلام ہے، اسلام سے اِس کا کوئی تصادم نہیں۔ خانقاہوں کا موجودہ نظام اور اِس میں جاری غیر اسلامی رسوم و رواج کو دیکھ کر جو لوگ تصوّف اور اربابِ تصوّف سے متنفر ہوتے ہیں اُس کی تمام تر ذمّے داری خانقاہوں کے سجادہ نشین، متولیان اور منتظمین پر عائد ہوتی ہے جن کے ہاتھوں میں خانقاہوں کے نظم و نسق کی باگ ڈور ہے۔ حضرت مولانا شاہ امام احمد رضا قادری نے خانقاہی نظام کو درست کرنے کی صرف کوشش ہی نہیں کی بلکہ اس میں جاری غیر اسلامی رواج کا سدِّ باب کرنے کے لئے کتابیں بھی لکھیں۔ قبر پر سجدہ حرام ہے، مزارات پر عورتوں کا جانا ہرگز جائز نہیں، اِن موضوعات

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

پر باضابطہ اُن کی تصانیف ہیں۔ اِس واضح اور کھلی حقیقت کے باوجود بھی بعض کور باطن انہیں قبر پرستوں کا امام کہتے ہیں۔ یہ سب کچھ اِس لئے ہے کہ مِلّتِ اسلامیہ کے وہ افراد جو اپنے کو مُلک کے اربابِ دین و دانش میں شمار کرتے ہیں انہوں نے براہِ راست اُن کی تصانیف کو نہیں پڑھا اور اگر پڑھا بھی ہے تو اُسے سمجھنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ جب بھی کسی کے نظریات کو دوسروں کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں۔ یہی معاملہ کچھ امام احمد رضا اور اُن کے افکار و نظریات کے ساتھ ہوا۔ خانقاہی نظام سے متعلق یہاں صرف ایک مثال دے دوں تا کہ دعویٰ بغیر دلیل رہنے کا الزام راقم السطور کے ناتواں کاندھوں پر نہ آسکے۔

مزارات پر جتنے زائرین سجدہ کرتے ہیں اُن میں اکثر جاہل ہوتے ہیں۔ اِس غیر شرعی عمل سے وہ تو گنہگار ہوتے ہی ہیں مگر اُن سے زیادہ مجرم وہاں کے سجادہ نشین اور منتظمین ہیں جو انہیں اِس کی اجازت دیتے ہیں۔ یہی کیا اِس کے علاوہ اور بھی غیر شرعی رسوم جو وہاں رائج ہیں اس کی بھی ذمّے داری انہیں پر عائد ہوتی ہے۔ اِس تعلق سے جب کسی نے اُن سے چھیڑ چھاڑ کی تو کہتے ہوئے یہ سُنا گیا کہ ہم خانقاہی مسلک کے پیروکار ہیں اِس مسلک میں یہ سب جائز ہے۔ واضح رہے کہ جو لوگ اپنے کو خانقاہی مسلک کا پیروکار بتاتے ہیں وہ اصل میں دیوبندی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہندوستان کی بڑی درگاہیں جہاں لوگ سجدہ بھی کرتے ہیں اور غیر شرعی رسوم و آداب کا ارتکاب بھی، اُن کے سجادہ نشین، متولیان، منتظمین اور ٹرسٹیز سبھی لوگوں کا عقیدہ وہی ہے جو امام احمد رضا کے معاندین اور مخالفین کا ہے۔ خانقاہی نظام کا نام دے کر انہیں تو اپنا دھندہ چلانا ہے، بزرگانِ دین کا احترام اور اُن کے تقدس سے انہیں کیا لینا دینا۔ تقریبِ فہم کے لئے یہاں صرف ایک مثال کافی ہوگی۔

قبر پرستی کے موجد دیوبندی علماً ہیں۔ امام احمد رضا اور اُن کے ہم نوا علماً نے تو اِس کی شدّت سے مخالفت کی ہے۔ قبر پرستی کی حُرمت پر امام احمد رضا فاضلِ بریلوی کی کتاب ''الزبدۃ الزکیہ لتحریم سجود التحیہ'' کے نام سے پاک و ہند سے شائع ہو چکی ہے۔ اِس کتاب کا ماحصل یہ ہے:

> ''مزارات کو سجدہ یا اُن کے سامنے زمین چومنا حرام اور حدِّ رکوع تک جُھکنا ممنوع ہے۔۔۔ مزار کو سجدہ در کنار کسی قبر کے سامنے اللہ عزوجل کو بھی سجدہ جائز نہیں اگر چہ قبلہ کی طرف ہو۔ مزارِ انور کو سجدہ تو قطعی حرام ہے۔ زائر جاہلوں کے فعل سے دھوکا نہ کھایئے بلکہ علمائے باعمل کی پیروی کیجئے۔''

(الزبدۃ الزکیہ لتحریم سجود التحیہ۔ ص:۵۱)

فاضلِ بریلوی نے اپنے اِس موقف کو چالیس احادیث اور ایک سو دس نصوصِ فقیہ سے مزیّن کیا ہے۔ مزار کا طواف اور اس کی چوکھٹ کا بوسہ اور مزارِ شریف سے اُلٹے پاؤں پھرنے کے تعلق سے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے وہ اپنی تصنیف فتاویٰ رضویہ، جلد چہارم میں فرماتے ہیں:

> ''مزار کا طواف محض بہ نیّتِ تعظیم کیا جائے ناجائز ہے کہ تعظیم بالطواف مخصوص بہ خانۂ کعبہ ہے۔ مزار کو بوسہ نہ دینا چاہئے کہ علماً اِس میں

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

مختلف ہیں اور بہتر بچنا اور ادب اِس میں زیادہ ہو۔ آستانہ بوسی میں
حرج نہیں اور آنکھوں سے لگانا بھی جائز کہ اِس سے شرع شریف
میں مخالفت نہ آئی اور جس چیز کو شرع نے منع نہ فرمایا منع نہیں ہو سکتی۔
قال اللہ ان الحکم للہ۔
ہاتھ باندھے اُلٹے پاؤں آنا طرزِ ادب ہے اور جس
ادب سے شرع نے منع نہ فرمایا ہو اس میں حرج نہیں ہاں مگر اِس
میں اپنی یا دوسرے کی ایذا کا اندیشہ ہو تو اس سے احتراز کیا جائے۔"

(فتاویٰ رضویہ، جلد چہارم، ص:۸)

اِس واضح موقف اور مؤمنانہ عقیدے کے بعد بھی اگر کوئی بغرضِ عناد انہیں قبر پرست یا قبر پرستی کا موجد کہے خواہ وہ عالم ہو یا جاہل تو اُس کی کور باطنی، متعصبانہ ذہنیت اور للّٰہی بغض کا سوائے اِس کے کیا علاج ہے کہ اُسے کسی پاگل خانے میں پہنچا دیا جائے۔ مزارات کی قبر پرستی یہ اسی خانقاہی مسلک کی دین ہے جس کا ذکر سطورِ بالا میں ہوا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فاضلِ بریلوی نے جب قبر پرستی کی بنیاد نہیں ڈالی تو انہیں گھناؤنے لفظ سے بدنام کرنے کی کیوں کوشش کی جارہی ہے؟ یہ سوال اگرچہ بہت مختصر ہے مگر اِس کے جواب کے لئے دفتر درکار ہے۔ کسی حد تک اِس سوال کا جواب راقم السطور کے اُس مقالے میں مِل سکتا ہے جو "امام احمد رضا اور خواجہ حسن نظامی کے نظریۂ سجدۂ تعظیمی کا تقابلی مطالعہ" کے عنوان سے تیئیس صفحات پر مشتمل "جہانِ رضا" لاہور میں ۱۹۹۴ء میں شائع ہو چکا ہے۔ لیکن چونکہ یہ سازش علمائے

دیوبند کی رچی ہوئی ہے اِس لئے زیادہ بہتر جواب وہی دے سکتے ہیں۔ قبر پرستی کے موجد علمائے دیوبند ہیں اِس اجمال کی تفصیل ذیل میں دی جارہی ہے۔

مصورِ فطرت خواجہ حسن نظامی درگاہ حضرت نظام الدین اولیاؒ کے سجادہ نشین تھے۔ دہلی کی اِس بڑی درگاہ کے سجادہ نشین حضرت خواجہ حسن نظامی کی ساری تعلیم بقول ان کے لائق فرزند 'دہلی' 'کاندھلہ' اور 'گنگوہ' میں ہوئی۔ حضرت خواجہ حسن نظامی ثانی نے اپنے والد ماجد کی زندگی اور علمی، دینی و ادبی کارناموں پر مشتمل "خواجہ حسن نظامی۔ حیات اور کارنامے" کے نام سے ایک کتاب ترتیب دی ہے۔ اِس کتاب کے صفحہ ۹۳ پر اپنے والد ماجد کی تعلیمی زندگی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"(والد ماجد کی) ابتدائی تعلیم بستی نظام الدین میں ہوئی۔ مولوی محمد اسمٰعیل کاندھلوی، مولوی محمد میاں کاندھلوی، مولوی محمد یحییٰ کاندھلوی اور مولوی حکیم الہ الدین پنجابی سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ انگریزی اسکول میں بھی ایک دن کے لئے گئے۔ گنگوہ کا بھی آپ نے تعلیمی سفر کیا اور وہاں آپ نے ڈیڑھ سال کی مدت تحصیلِ علم میں گذار دی۔"

خواجہ حسن نظامی کے جن اساتذہ کا ذکر سطورِ بالا میں ہوا اُن میں کوئی امام احمد رضا کا ہم خیال و ہم عقیدت نہیں، سب کا تعلق دیوبندی مکتبِ فکر سے ہے۔ گنگوہ میں مسلکِ دیوبند کے بانی مولوی رشید احمد گنگوہی کی علمی سرپرستی حاصل رہی۔ انہیں کی خدمت میں رہ کر ڈیڑھ سال تک اکتسابِ علم کیا۔ جہاں تک میرے علم میں ہے

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

کاندھلہ اور بستی نظام الدّین سُنّی اور صحیح العقیدہ جنہیں اب بریلوی کہا جاتا ہے ان کا نہ اُس وقت کوئی مدرسہ تھا اور نہ ہی اب ہے۔ بستی نظام الدّین میں خواجہ حسن نظامی ثانی صاحب نے جس مدرسہ کا ذکر کیا ہے شاید یہ وہی کاشف العلوم نامی مدرسہ ہے جو اِن دنوں تبلیغی جماعت کا اڈّہ ہے۔

اب آپ خود بھی سوچیئے جس نے ایک دن کے لئے بریلوی مکتبِ فکر کے اسکول اور مدرسے کا چہرہ نہ دیکھا ہو اور جس کی ساری تعلیم ابتدا سے لیکر انتہا تک دیوبندی مکتبِ فکر والے مدارس میں ہوئی ہو تو کیا جب وہ فارغ التحصیل ہو کر آئے گا تو بریلوی مکتبِ فکر کی نشر و اشاعت کرے گا...... نہیں...... ہرگز ایسا نہیں...... "کل شئٍ یترشح من الاناءِ لما فیہ۔ (برتن سے وہی چیز ٹپکتی ہے جو برتن میں ہوتی ہے) واضح رہے کہ بریلوی مکتبِ فکر کا استعمال یہاں دیوبندی مکتبِ فکر کے مقابلے میں کیا گیا ہے دراصل یہ وہی مسلکِ اربابِ حق ہے جس پر صحابہ، تابعین اور بزرگانِ دین گامزن رہے ہیں۔

خواجہ حسن نظامی زیورِ علم وفن سے آراستہ ہونے کے بعد کیا کیا گُل کھلائے اس پر یہاں تبصرہ مقصود نہیں، تمام تفصیلات سے قطع نظر انہوں نے "مرشد کو سجدۂ تعظیم" کے نام سے ایک کتاب لکھی اور اپنے مریدین سے اِس کا عملی تجربہ بھی کرایا۔ عقیدت کے تعلق سے یہ تھیوری اتنی کامیاب ہوئی عوام تو عوام کم پڑھے لکھے خواص بھی اِس عقیدت میں اندھے ہو کر قبروں پر اپنی پیشانی ٹیکنے لگے۔ چونکہ اِسی عمل سے سجادگان کی مالی منفعت وابستہ ہوتی ہے اِس لئے بسا اوقات بادلِ ناخواستہ بھی یہ عمل بجالانا

پڑتا ہے۔ بہر حال خواجہ حسن نظامی کی اِسی کتاب کی تردید میں امام احمد رضا فاضلِ بریلوی نے "الزّبدۃ الزّکیۃ لتحریم سجود التحیۃ" نامی کتاب لکھی جس کے ماحصل کا سطورِ بالا میں ذکر ہوا۔ ایسے موقعوں کے لئے بولا جاتا ہے "اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے"۔ خود دیوبندی مکتبِ فکر کے علماً نے خانقاہوں میں قبر پرستی کی بنیاد ڈالی اور مسلم قوم کو اِس میں ملوث کیا اور طعن و تشنیع کا نشانہ اُسے بنایا جارہا ہے جس نے اِس کی تردید کی اور قبر پرستی کے خلاف فتویٰ حرام صادر کیا۔ سچ کہا ہے کہنے والے نے:

خدا جب دین لیتا ہے تو عقلیں چھین لیتا ہے

امام احمد رضا بلاشُبہ عالم شریعت اور محرم رازِ طریقت تھے۔ شریعت اور طریقت اِن دونوں میں کوئی تصادم نہیں۔ اصل صوفی وہی ہے جس کی نظر قرآنِ حکیم اور احادیثِ شریفہ کے معانی و مفاہیم پر ہو۔ لال پیلے کپڑے پہننے اور حدِّ شرع سے لمبے سر کے بال بڑھا لینے سے کوئی صوفی نہیں ہوجاتا۔ طریقت وہ کٹھن منزل ہے جس سے گذرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ حضرت سیّدنا شیخ عبد الحق دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے "کتاب المکاتیب والرسائل الی ارباب الکمال و الفضائل" ص: ۷ پر حضرت سیّدنا شیخ شہاب الدّین سہروردی کے حوالے سے لکھا ہے وہ ایک سائل کے جواب میں فرمارہے تھے:

"اصول طریقتنا خمسۃ اشیاً تقوی اللہ عزوجل فی السر والعلانیۃ و
اتباع السنیۃ فی الاقوال والافعال والاعراض عن الخلق فی الاقبال و
الادبار والرضا عن اللہ فی القلیل والکثیر والرجوع الی اللہ سبحانہ و
تعالیٰ فی السراء والضراء۔

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

طریقت کی جن بنیادی باتوں کی طرف سطورِ بالا میں اشارہ کیا گیا ہے سالکِ طریقت کے لئے ضروری ہے کہ اسے اپنائے اور اگر وہ اِن بنیادی چیزوں سے عاری ہے تو ہرگز یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے کو صوفی کہلائے۔ 'انوار الرحمٰن' کے مُرتب مولوی نور اللہ نے حضرت شاہ عبد الرحمٰن لکھنوی کے حوالے سے تصوّف کی آٹھ بنیادوں کا ذکر کیا ہے اور واضح لفظوں میں لکھا ہے انبیاؑ و مرسلین اور تمام سلف صالحین اِن فضائل کے جامع تھے۔ انہوں نے پانچ بنیادی امر کی وضاحت اِن الفاظ میں کی ہے:

۱۔ سخا۔ صوفیہ کی اصطلاح میں سخاوت ہر اُس مال و متاع کا خرچ کر دینا ہے جس کی لوگوں کی نظر میں عزّت اور عظمت ہو اور اُس مال کا دریا کے پانی کی طرح بہا دینا آسان ہو۔

۲۔ رضا۔ اللہ اور اُس کے رسول کے فرمان اور احکام کی پیروی کے لئے خندہ پیشانی کے ساتھ ہمہ دم کمر بستہ رہے۔

۳۔ غربت۔ غربت یہ ہے کہ انیس سال کی عُمر میں اپنے علاقے اور اپنے خاندان سے جُدائی اختیار کر کے خانۂ خدا کو اپنا مسکن بنا لے اور تمام عُمر زمین پر بیٹھے، سوئے اور کبھی بھی اپنا پیر چارپائی اور تخت پر نہ رکھے اور بغیر کسی ضرورتِ شرعی کے مسجد سے قدم باہر نہ نکالے۔

۴۔ فقر۔ فقر کی وضاحت حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس طرح

کی ہے کہ فقیر وہ شخص ہے کہ اسے جس چیز کی ضرورت ہو وہ اس کے پاس نہ ہو جب کہ آدمی کو جس چیز کی ضرورت پیش آتی ہے وہ غذا، مال اور دوسری چیزیں ہیں مگر اِن تمام چیزوں سے کوئی چیز اُس کے پاس نہیں ہے اِس کے باوجود نیاز مند رہے۔

اگر اِن اُصولوں پر کوئی سالک کاربند نہیں تو اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ آدابِ شریعت کی حفاظت کرے اور حرام اور شُبہ کی چیزوں کی طرف ہاتھ نہ پھیلائے، چونکہ تصوّف کی راہ انتہائی دشوار ہے اِس لئے اس سے سالک کو بڑی مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ بسا اوقات اسے کامیابی اس میں ملتی ہے اور بسا اوقات نہیں اور اگر کامیابی مل گئی اور اس پر گامزن رہا تو بقولِ حضرت سیّدنا شیخ عبد الحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ:

''اگر فائز توفیقِ ایزدی کے ساتھ اس راستے پر گامزن رہے تو یقیناً اس کا دل جوہرِ ایمان اور نورِ معرفت سے منوّر ہو جائے گا۔''

(کتاب المکاتیب والرسائل۔ ص:۱۱)

اِس نور سے بہرہ ور کرنے کے لئے خانقاہوں میں پہلے سالکینِ طریقت کی تربیت کی جاتی تھی اور مجاہدہ و ریاضت کے ذریعے انہیں اِس قابل بنایا جاتا تھا کہ اُن کے دل میں تجلّیاتِ ربّانی کی کرنیں اُتر سکیں۔ اس سلسلے میں اُن کے قلوب کو ہر قسم کی رغبت اور میلان سے خالی کیا جاتا تھا پھر انہیں اچھے اخلاق اور بہترین عادات سے مُزیّن کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اصطلاحِ تصوّف میں اِس طریقۂ کار کو ''تخلیہ'' اور ''تحلیہ'' کہا جاتا ہے۔ سالک کو جن چار چیزوں سے دور رہنے کی تلقین کی جاتی تھی

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

اُن میں دنیا، خلق، شیطان اور نفس شامل ہیں۔ اگر سالک اِن چار محاذوں پر کامیاب رہا تو اُس کا قدم کمال ہی کی طرف بڑھتا جائے گا۔

تصوّف کے اِن بنیادی اُصولوں میں کہیں بھی لال پیلے کپڑے پہننے پر زور نہیں دیا گیا اور اگر کسی نے اسے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے تو اِس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ایسے کپڑے اپنے اوپر لازم کر لینے سے تصوّف کے ٹھیکیدار بن گئے جیسا کہ اِس دور میں بعض نام نہاد صوفیا کا طریقہ ہے۔ جو لوگ سورۂ ''مزّمل'' میں ''یاایُّھا المزّمل'' سے عام لباس تصوّف مُراد لیتے ہیں یہ اُن کی نادانی ہے۔ بعض لوگوں نے اِس آیت سے خرقہ پوشی کا ثبوت حاصل کیا ہے جو کسی حد تک قرینِ قیاس ہے۔ لغتِ عرب میں مزّمل اس شخص کو کہتے ہیں جو ایک کشادہ کپڑے کو اپنے اوپر لپیٹ لے۔ سرکارِ دو عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ تہجد کی نماز اور قرآنِ حکیم کی تلاوت کے واسطے رات کو اُٹھتے تھے تو ایک بڑا کشادہ کمبل اوڑھ لیتے تھے تاکہ سردی سے بدن محفوظ رہے اور جس کمبل کو آپ زیب تن فرمایا کرتے تھے وہ ایک روایت کے مطابق چودہ ہاتھ کا لمبا تھا جو خاص اسی کام کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ چونکہ آپ کا کمبل اوڑھنا اس بات کی علامت تھی کہ اب آپ کا ہر لمحہ عبادت میں بسر ہوگا، آپ نمازیں پڑھیں گے اور تلاوت فرمائیں گے۔ اِس لئے صاحبِ انوار العارفین نے لکھا ہے جو ایسا لباس (خرقہ) پہن لے اُس کے لئے لازم ہوجاتا ہے کہ وہ اِن سات امور پر کاربند ہو جس کی طرف قرآنِ مجید میں اشارہ ملتا ہے:

۱۔ رات کو جاگنے میں بڑی کوشش کرنا۔

۲۔ ہر وقت دن کو اپنے مالک کی بندگی میں مشغول رہنا۔

۳۔ حق تعالیٰ کے ذکر کی مداومت کرنا۔

۴۔ تمام تعلقات سے الگ ہوکر تجرید حاصل کرنا۔

۵۔ خلقِ خدا کی ایذا کو سہنا۔

۶۔ اہلِ دنیا کی صحبت سے احتراز کرنا۔

(انوار العارفین۔ ص:۱۷۴)

مگر صورتِ حال یہ ہے کہ بعض نام نہاد خانقاہوں میں تصوّف کے نام پر خرقہ پوشی بھی ہوجاتی ہے۔ لال پیلے ڈھیلے لباس بھی پہن لئے جاتے ہیں مگر اس کی جو شرائط ہیں اس کی انہیں ہوا بھی نہیں لگنے پاتی اور مِلّتِ اسلامیہ کے لئے اُن کی شخصیت مشعلِ راہ بننا تو کیا مسلم سماج اور کئی طرح کی دوسری برائیوں کا شکار ہوجاتے ہیں جس کا ذکر اعجاز الحق قدوسی صاحب نے ''تذکرۂ صوفیائے پنجاب'' میں اِن لفظوں میں کیا ہے:

''آج کل جو برائیاں معاشرے میں مختلف انداز کی گھر آئی ہیں اُس کی واحد وجہ صوفیا کا صحیح راہنما نہ ہونا ہے۔ اطباء اور ڈاکٹروں کی طرح آج کل کے صوفیا بھی پریکٹس کر کے اپنی دُکان کو شبانہ روز فروغ دینے میں مصروف ہیں۔ یہ تمام خود ساختہ پیر حقیقی تصوّف سے نابلد اور نا آشنا ہوتے ہیں اِسی وجہ سے روحِ تصوّف کی انہیں خبر نہیں ہوتی اور اِسی پر بس نہیں بلکہ وہ سلوک کی راہوں سے بھی

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

نابلد ہوتے ہیں اِس لئے اسلامی معاشرہ تو دور کی چیز ہے اپنے
حلقۂ ارادت پر بھی اثر انداز نہیں ہوسکتے''
(تذکرہ صوفیائے پنجاب۔ص:۲۹)

جب تک صوفی اسلامی شریعت سے نابلد ہوتا ہے وہ تصوّف کا حق نہیں ادا کرسکتا۔ جولوگ یہ کہتے ہیں کہ شریعت اور طریقت دونوں الگ الگ چیزیں ہیں یہ اُن کی صریح نادانی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ صوفیا جن کا علمِ شریعت سے کوئی تعلق نہیں اور تصوّف کا لبادہ اوڑھ کر اپنے کو مقرب الی اللہ گردانتے ہیں، اتباعِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوسوں دور ہوتے ہیں دراصل یہی لوگ اولیأ کے طاغوت ہیں۔ قرآن و احادیث میں ایسے ہی لوگوں کی مذمّت کی گئی ہے کیونکہ اولیا اللہ کے اقوال سے تو صاف ظاہر ہے کہ شریعت کی پیروی انسان پر ہر حالت میں فرض ہے اور طریقت و تصوّف کو حاصل کرنے کے لئے علمِ شریعت بمنزلہ شرط ہے۔ چنانچہ ''فتوح الغیب'' میں لکھا ہے کہ جو طریقت وحقیقت، شریعت کے خلاف ہو وہ کُفر والحاد ہے۔ یہ جاہل صوفی نہ تو اولیائے عظام کی پیروی کرتے ہیں اور نہ خدا و رسول کے احکام کی پیروی کرتے ہیں۔

امام احمد رضا فاضلِ بریلوی، شریعت کے اسرار و رموز سے بھی بہرہ مند تھے اور طریقت و معرفت کے بھی رمز آشنا تھے۔ وہ شریعت و طریقت کے ایسے سرچشمہ تھے جہاں سے عرفان و آگہی اور علوم و فنون کے دونوں دھارے ساتھ ساتھ بہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے حلقہ بگوشوں میں دنیائے طریقت و معرفت کے تاجدار بھی تھے اور

میدانِ علم و فن کے شہسوار بھی۔ اُن کی زندگی اربابِ تصوّف اور صاحبانِ فکر و نظر سب کے لئے مینارۂ نور ہے۔ علم و ادب کے تعلق سے تو لوگ اُن کی شخصیت کی طرف متوجہ ہوئے ہیں مگر اُن کی زندگی کا روحانی پہلو اِس بات کا متقاضی ہے کہ اربابِ قلم اِس کی طرف متوجہ ہوں۔ اِس تعلق سے اختصار کے ساتھ ایک تصنیف ''امام احمد رضا اور تصوّف'' کے عنوان سے شائع ہوچکی ہے۔ زیرِ نظر کتاب مولانا قادر ولی قادری رضوی حبیبی کی دوسری کوشش ہے جو ''صوفی باصفا۔۔ امام احمد رضا'' کے نام سے زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر منظرِ عام پر آنا چاہتی ہے۔ مصنّف نے امام احمد رضا کے تعلق سے تصوّف کے کن اسرار و رموز کو واشگاف کیا ہے اِس کا مطالعہ تو آپ اندرون صفحات میں کریں گے، جستہ جستہ مطالعے سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مصنّف نے فاضلِ بریلوی کی متصوّفانہ زندگی کے بیشتر پہلوؤں کا احاطہ کرلیا ہے جس سے اُن کے معتقدین نابلد تھے۔ دُعا ہے اللہ تعالیٰ اُن کی اِس کاوش کو قبول فرمائے اور علم و فن کی طرح فاضلِ بریلوی کا روحانی فیضان بھی عام و تام ہوتا کہ مسلم سماج میں خانقاہی نظام اور خانقاہی مسلک کے نام پر جو بے دینی اور بے راہ روی پھیلی ہوئی ہے بندگانِ الٰہی اس سے محفوظ رہ کر خدائے واحد کے پرستار اور رسول کے سچے وفا دار بن سکیں۔ آمین۔

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

مقدمہ

ڈاکٹر سیّد وحید کوثر

۱۸۵۰ء سے ۱۹۲۵ء تک کا زمانہ ہندوستان کی تاریخ میں سیاسی، مذہبی، اخلاقی اور تہذیبی اقدار کے تغیّر و تبدّل کا دَور تھا جس میں کئی تحریکوں نے سر اُٹھایا، کئی مصلحین، مستشرقین اور لیڈروں نے جنم لیا اور کئی اداروں کا قیام عمل میں آیا۔ اِس پون صدی پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو تعمیر و تخریب اور تعامل و تصادم کے بے شمار واقعات سامنے آتے ہیں۔ اِن سب کے رُونما ہونے کا سبب نظریاتی اختلاف رہا ہے۔ چونکہ اس دور میں سیاسی، مذہبی اور تہذیبی اقدار ایک دوسرے پر اثر انداز ہو رہے تھے لہٰذا حیات کا ہر شعبہ بھی تبدیلیوں سے دوچار تھا۔ ایسے ماحول میں عوام جس ردّ و قبول کے رجحان سے گذر رہے تھے اس میں مذہب کو بڑا دخل تھا۔ خاص طور پر مسلمان مختلف نقطہ ہائے نظر رکھنے والے علماً کی بہتات سے تذبذب کا شکار تھے اور ایک ایسے عالم اور مفکّر کی ضرورت محسوس کر رہے تھے جو برسوں سے چلے آ رہے مذہبی اقدار کی صداقت ثابت کر سکے اور ان بدلتے ہوئے حالات میں ان کی مذہبی، سماجی اور تہذیبی مورچوں پر رہبری و رہنمائی اور اصلاح کا اہم کام انجام دے سکے۔

انیسویں صدی کے ربع آخر میں ایک ایسی بلند پایہ اور با اعتماد شخصیت منظرِ عام پر نظر آتی ہے۔۔۔ اور وہ ہے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی۔ آپ بیک وقت مجدّد و محدّث، مصلح و مجاہد، مفسّر و مترجم، مفکّر و مدبّر، معلّم و مبلّغ اور مفتی و مصنّف تھے۔ ان سب سے زیادہ آپ ایک ایسے صوفی تھے جن کی ذات شریعت و طریقت کا اعلیٰ عملی نمونہ تھی۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقِ صادق تھے۔ آپ کا یہ وصف آپ کے تمام ظاہری اوصاف پر اس قدر فوقیت رکھتا تھا کہ آپ کے تمام مناقب و فضائل اِسی سے نمو پاتے معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ آپ کا علم، عرفانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کا عمل، اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کا مقصدِ حیات عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ آپ نے ساری زندگی مسلمانوں کے دِلوں میں اللہ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاداری کا جوہر بھرنے میں گذاری۔ دراصل یہی محور ہے جس پر مسلمانوں کی ترقی و تنزّلی کا پہیہ گھومتا رہتا ہے۔ تاریخِ اسلام کا مطالعہ کریں تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین، اغواث، ابدال اور اولیائے عظام کی فتوحات، کامرانیاں اور اجتہادات اِسی ایک جذبہ کی صداقت پر مبنی رہے ہیں۔ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پُر انتشار دَور میں نئے سرے سے مسلمانوں کے دِلوں میں جذبۂ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کرنے کی بھرپور سعی فرمائی۔ اپنی تصانیف و تالیفات سے فتاویٰ اور دلائل سے قدیم مذہبی اقدار کی صداقت ہی ثابت نہیں کی بلکہ ان اقدار کی حفاظت اور ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہونے والے حملوں کو روکنے

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

کے لئے اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کو ڈھال بنادیا۔ نجدی فتنہ ہو کہ قادیانی غوغہ، دیوبندی ذہنیت ہو کہ ندوی افکار، عیسائیت کی بلند بانگیں ہوں کہ آریا سماجی اشرار آپ اپنے دور میں سبھی سے نبرد آزما رہے۔ اتنے سارے مورچوں پر فردِ واحد کا نبرد آزما ہونا یقیناً حیرت کی بات ہے لیکن ایک اہلِ دل صوفی اور ولیِ کامل کے آگے ایسے ہزار ہا مورچے بے معنی اور بے اثر معلوم ہوتے ہیں، چنانچہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا مشن نہ صرف کامیاب رہا بلکہ اہلِ سُنّت و جماعت کے عقائد کی اصلاح کا کام ایک ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ ساری دنیا میں ہو پایا۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کا اعتراف اہلِ سُنّت و جماعت کے ظرف کا اظہار ہے۔ آپ نے مسلکِ اہلِ سُنّت و جماعت کی حفاظت اور اصلاح کے لئے جو کچھ کیا اِس کی مثال ملنی دشوار ہے۔ اِس لحاظ سے بالعموم مسلمانوں اور بالخصوص اہلِ سُنّت و جماعت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ آپ کی خدمات کے اعتراف کا اہتمام آئے دن کیا کریں تاکہ آنے والی نسلوں میں صحیح مسلک و عقائد کی منتقلی کا سلسلہ چلتا رہے۔ یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ اہلِ سُنّت و جماعت کے علماءاور دانشوروں میں اپنی اِس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کا احساس جاگا ہے چنانچہ گذشتہ تین چار دہایوں سے امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے کارناموں اور شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کرنے کی سعیِ بلیغ ہندوستان میں بھی کی جارہی ہے اور مستقبل میں بھی اس کی قوی امید ہے۔ زیرِ نظر کتاب ”صوفیِ باصفا۔ امام احمد رضا“ اِسی سعیِ بلیغ کا ایک حصہ ہے۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”کشف المحجوب“ میں صوفی سے متعلق کچھ اس طرح فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جس کی روح بشریت کی تاریکیوں اور نفسانی خواہشات سے پاک ہو، دنیا کی حرص و ہوا سے نجات پاکر وہ حق تعالیٰ کے حضور میں صفِ اوّل میں کھڑے ہونے کی سعادت حاصل کر چکا ہو، اِس کا علم جسے تصوّف کا نام دیا گیا ہے حق تعالیٰ سے اس کی اٹوٹ وابستگی کی راہ بھی ہے اور منزل بھی۔ لیکن آج تصوّف علم کی ایک شاخ ہو کر رہ گیا ہے جس سے قلبی واردات اور روحانی تجربات زائل ہو چکے ہیں۔ ایسے دَور میں اگر کوئی تصوّف پر ایک یا ایک سے زائد کتابیں تصنیف کرے تو وہ صوفی نہیں کہلا سکے گا اور نہ مسائلِ تصوّف کی گرہ کشائی اپنی فلسفیانہ موشگافیوں سے فرما کر صوفی کہلا سکتا ہے۔ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے تصوّف اور اس کے مسائل پر جو کتابیں تصنیف فرمائی ہیں وہ نہ صرف تصوّف کے دقیق مسائل کو قرآن اور احادیث کی روشنی میں واضح کرتی ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ کتابیں ان لوگوں کے لئے بھی قابلِ مطالعہ ہیں جو تصوّف سے متعلق صحیح معلومات نہیں رکھتے اور ان کے لئے بھی جو تصوّف کو قرآن و حدیث سے بالکل ہی جُدا علم سمجھتے ہیں۔ آپ کی ان تصانیف سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ تصوّف سے متعلق پھیلے ہوئے غلط خیالات کو رد کیا جاسکا تو دوسری طرف بھگتی تحریک کے راستے سے ہندو فلسفے کے اثرات جو اسلامی تصوّف پر نمایاں ہو رہے تھے انہیں روکا جاسکا۔ اس وقت خانقاہی نظام کے بعض جہلا نے یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ بھی اسلامی تصوّف کا جزو ہیں حالانکہ بعض مسلمان صوفیوں نے معرفت کی باتیں عوام کو سمجھانے کے لئے روزمرّہ کے

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

تشبیہوں اور عام زندگی سے متعلق واقعات کا سہارا لیا تھا اس لئے کہ عرفانِ الٰہی کا سمجھنا ہندوستان کے نومسلم طبقے کے لئے مشکل تھا۔ان مسلمان صوفیوں کی یہ روایت ذرا آگے بڑھی تو گمرہی پھیلنے لگی۔امام احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف کے ذریعے اس گمرہی کا سدِ باب فرمایا۔آپ کی تصانیف سے صوفی کے صحیح مفہوم اور اس کی پہچان کی کسوٹی ہاتھ آسکی۔

صوفی یا ولی چاہے اکتسابی ہو یا وہبی عشقِ حقیقی اس کی رگ و پے میں سمایا ہوتا ہے جو مدارج علیا کی راہ ہموار کرتا ہے۔ولایت وہ نعمت ہے جو فضلِ الٰہی سے اور فیضِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیب ہوتی ہے۔اب جس صوفی یا ولی کا جتنا ظرف ہوتا ہے وہ اُتنے ہی بلند مقام پر فائز ہوتا ہے کیونکہ عشقِ حقیقی کا ارتقا روح کی لطافت پر منحصر ہے۔یہ لطافت جس قدر محبوب کی چاہت میں اضافہ کرتی جاتی ہے اُسی قدر مُحب (صوفی یا ولی) اپنے محبوب سے قریب سے قریب تر ہوتا جاتا ہے اور اُس کے مقام بلند ہوتے جاتے ہیں۔

تصوّف صوفی کی حیات سے عبارت ہے۔اس کا علم و عمل، اس کے معاملات و معمولات، اس کی بصارت و بصیرت اور اس کے فہم و ادراک غرض اس کی ہر بات اعلیٰ و ارفع ہوتی ہے جس سے اس کی پہچان بہ حیثیت ایک صوفی ممکن ہو جاتی ہے۔زیرِ نظر کتاب کا پہلا باب ''امام احمد رضا کا علم و عمل'' مذکورہ ساری باتوں کا احاطہ کرتا ہے۔اگرچہ یہ ساری باتیں امام احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ پر لکھی گئی کتابوں سے لی گئی ہیں لیکن ایک عام قاری کے لئے اتنا مواد فراہم کر دیا گیا ہے کہ وہ اس باب کے

مطالعے سے امام احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت کے مختلف گوشوں سے آگہی حاصل کر سکتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب کا دوسرا باب ''امام احمد رضا کا عشقِ رسول''، صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔امام احمد رضا کے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے میں کسی کو انکار نہیں، یہاں تک کہ آپ کے اِس وصف کا اعتراف آپ کے مخالفین نے بھی کیا ہے۔زیرِ نظر کتاب میں یہ باب آپ کو صوفی باصفا ثابت کرنے کا دوسرا زاویہ ہے۔

ایک صوفی ولی ہوتا ہے اور ولی عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ولی کا عشق، عشقِ حقیقی ہوتا ہے اور اس کی بنیاد خیر پر ہوتی ہے۔خیر نیک خواہشات اور عادات کا مظہر ہوتا ہے جس کی بدولت صوفی کا دل و دماغ آئینہ کی طرح صاف و شفّاف ہوتا ہے۔یہی نیکی اور پاکی اُسے وجدان عطا کرتی ہے جس کی روشنی میں وہ اپنی اور اپنے محبوب کی ذات سے آگہی حاصل کرتا ہے۔محبوب کی ذات کی تجلّیات کو وہ نہ صرف عالَمِ خارجی میں مشاہدہ کرتا ہے بلکہ خوب سے خوب تر کی جستجو اس کو محبوب کا مشاہدۂ عالَمِ باطن میں بھی کرنے پر مجبور کرتی ہے چنانچہ وہ زمین اور آسمانوں پر اپنے محبوب کو جلوہ فرما دیکھتا ہے۔ولی کا یہ مشاہدہ جمالِ یار کے مشاہدے کی حدود سے بڑھتا ہے تو مطالعۂ جمالِ یار کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے۔اِس منزل پر وہ اپنے وجود کو محبوب کی ذات سے موجود محسوس کرنے لگتا ہے۔

عشق میں ہر صوفی کا اپنا ایک فطری انداز ہوتا ہے جس سے وہ پہچانا جاتا ہے۔اگرچہ عشق میں قلبی واردات، صداقت، استقامت اور راضی بہ رضائے محبوب

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

ہونا جیسی باتیں ہر صوفی کے یہاں دیکھی جاسکتی ہیں لیکن ان کا اظہار ہر صوفی کے یہاں ایک جیسا نہیں ہوتا۔ اس کا مختلف ہونا صوفیا کے اپنے اپنے فطری رجحان کی غمازی کرتا ہے جس کی وجہ مذکورہ عشق کے پہلوؤں پر ایک صوفی کا عمل یا ردِ عمل جیسا ہوتا ہے ضروری نہیں کہ دوسرے صوفی کا عمل یا ردِ عمل بھی بالکل اُسی طرح کا ہو۔

امام احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ کا عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اُن کے کلام میں نظر آتا ہے۔ آپ ایک سچے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے ناطے واصفِ شاہِ ہدیٰ بھی تھے۔ اپنے محبوب کے اوصاف کے بیان کرنے میں جو لذّت اور مسرّت وہ محسوس کرتے تھے اس کا اندازہ لگانا ممکن نہیں کیونکہ اشعار میں پائی جانے والی کیفیت اور سرشاری اپنا جواب نہیں رکھتی۔

یہی کہتی ہے بُلبلِ باغِ جناں کہ رضاؔ کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہدیٰ مجھے شوخیِ طبع رضاؔ کی قسم

مصنفِ ''سوانحِ اعلیٰ حضرت'' لکھتے ہیں:

'' آپ عام اربابِ سخن کی طرح صبح سے شام تک اشعار کی تیاری میں مصروف نہیں رہتے تھے بلکہ جب پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تڑپاتی اور دردِ عشق آپ کو بیتاب کرتا تو از خود زبان پر نعتیہ اشعار جاری ہو جاتے اور پھر یہی اشعار آپ کی سوزشِ عشق کی تسکین کا سامان بن جاتے، چنانچہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جب

سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تڑپاتی ہے تو میں
نعتیہ اشعار سے بے قرار دل کو تسکین دیتا ہوں ورنہ
شعر و سخن میرا مذاقِ طبع نہیں۔''

(سوانحِ اعلیٰ حضرت۔ علامہ بدرالدین احمد صاحب قادری رضوی، ص۔ ۳۵۸)

کلامِ رضاؔ کی خوبیاں اور محاسن ایک طرف اور ایک طرف وہ کیفیت جو امام احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ کو عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاصل تھی۔ آپ کو اس عشق میں وہ اضطراب پیدا ہو جاتا تھا کہ جس کی بدولت بے ساختہ زبان پر اشعار چلے آتے تھے، یہی بے ساختگی کلام میں پائی جانے والی فکر انگیزی اور ادبی صناعی سے زیادہ اہمیت کی حامل بن جاتی ہے۔ عشقِ جمالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جذبات پر چھانے والے سُرور کے عالَم میں امام احمد رضاؔ نے جو اشعار کہے ہیں اُن سے حُسن کی ملکوتی شان کا احساس خود بخود ہونے لگتا ہے۔

مذکورہ باب ''امام احمد رضاؔ کا عشقِ رسول'' صلی اللہ علیہ وسلم میں ''عشق'' کی وضاحت فرمانے کے ساتھ عاشق کی مختلف کیفیات کو نمایاں کیا گیا ہے اور ان کو امام احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ کی ذات میں دکھانے کی سعی کی گئی ہے۔ جہاں جہاں ضرورت محسوس ہوئی ہے اشعار سے بھی کام لیا گیا ہے۔ یہ باب بہت حد تک زیرِ نظر کتاب کا اہم باب سمجھا جاسکتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب کا تیسرا گویا آخری باب ''امام احمد رضا کی کرامات'' سے متعلق ہے۔ اس باب میں کرامت کے معنی و مفہوم کی وضاحت کے ساتھ کرامتوں کے اقسام

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اقسامِ کرامات کے دائرے میں امام احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ کی مختلف کرامتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ اس باب میں جتنے واقعات کرامتوں کے طور پر بیان کیے گئے ہیں وہ سب مختلف کتابوں میں شائع ہو چکے ہیں اور ان کی تصدیق بھی کی جا چکی ہے اس لئے کسی کو ان کے جھٹلانے یا ان سے متعلق شک وشبہ ظاہر کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

مجموعی طور پر زیرِ نظر کتاب کے تینوں ابواب ایک دوسرے سے مربوط ہونے کے ساتھ ساتھ موضوع کی بھرپور وضاحت کرتے ہیں۔ جناب قادر ولی قادری رضوی حبیبی نے کتاب کے موضوع کو بڑی مضبوطی سے تھامے رکھا ہے۔ کتاب کے مذکورہ تینوں ابواب کی ترتیب میں ایک باریکی یہ بھی ہے کہ ہر باب نہ صرف کتاب کے موضوع کی وضاحت کرتا ہے بلکہ اپنے عنوان کے لحاظ سے خود ایک مکمل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔

مصنف نے یہ کتاب عام لوگوں سے امام احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ کا تعارف بہ حیثیتِ صوفی کرانے کی غرض سے لکھی ہے نہ کہ اُن علماً اور ماہرینِ رضویات کے لئے جو رضوی مشن کو آگے بڑھانے میں عملی طور پر جٹے ہوئے ہیں۔ اس کتاب سے جہاں ایک عام قاری امام احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ کی ہمہ جہت شخصیت کے مختلف گوشوں سے آگہی حاصل کرسکتا ہے وہیں پر مسلکِ اہلِ سُنّت کے کئی پہلوؤں سے بھی واقف ہوسکتا ہے۔ اِس لحاظ سے یہ کتاب ''رضویات'' کے شعبے میں ایک خوبصورت اضافہ سمجھی جائے گی جس کے لئے قادر ولی قادری رضوی حبیبی مبارک باد کے مستحق ہیں۔

دُعا ہے کہ یہ کتاب امام احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ کو سمجھنے کا ایک ذریعہ ثابت ہو اور اہلِ سُنّت و جماعت کی اعلیٰ حضرت سے عقیدت و محبت میں اضافہ کی موجب بنے۔ آمین۔

ڈاکٹر سیّد وحید کوثر
صدرِ شعبۂ اردو
ادونی آرٹس اینڈ سائنس کالج
ادونی۔ ۵۱۸۳۰۱ (ضلع کرنول)
آندھرا پردیش

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

کتاب اور موضوع کتاب
میری نظر میں

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری (پی ایچ ڈی)
خیرانی روڈ ممبئی

کچھ لوگ سوچتے ہی رہتے ہیں..... مصروفیات ان کے اعصاب پر سوار رہتی ہیں..... جبکہ کچھ لوگ ہجوم افکار، آلام روزگار میں بھی کام کر کے گذر جاتے ہیں..... سوچ کے گرداب میں گرفتار زندگی کی تیز رفتار میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اور کام کرنے والے جب کام کا نیا عزم لیکر اٹھتے ہیں تو وہ چلتے جاتے ہیں، اور کارواں سے کارواں ملتے جاتے ہیں۔ ایسے سرپٹ کام کرنے والوں میں ایک متحرک ..... فعال..... مرنجاں مرنج صوفی جناب قادر ولی رضوی صاحب ہیں، جو اس نو خیز کتاب کے مرتب و مولف ہیں،..... موصوف عجیب حیرت انگیز شخصیت کے مالک ہیں ..... انہیں دیکھئے تو لگتا نہیں کہ کوئی اقتفی کام ان سے پا سکے گا..... یا پائے گا..... اور کتاب پڑھئے تو لگتا ہے کہ انہوں نے تصنیف و تالیف ہی کی نورانی قدروں کے بیچ زندگی گذارا ہوگا..... دیکھنے میں صوفی۔ بولنے میں خطیب..... سوچنے میں مومن ..... کرنے میں مجاہد..... ملنے میں مخلص..... دوستی میں سچے..... نبھانے میں پکے

..... دین کا ہمدرد..... ملت کا بہی خواہ،..... مسلک کا قلندر، اور سب سے بڑھکر یہ کہ فکر رضا کا جانباز سپاہی..... ان سارے شہ پارے کو گڈمڈ کر دیجئے، غور کرنے پر جو تصویر ابھرے گی اسی کو خیابانے اہلسنت میں، جناب قادری ولی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ میں ان کے گھر گیا ہوں..... کتابوں سے بھری..... رسائل سے بھی ہم نے ان کی لائبریری دیکھی ہے..... اور اب ان کی مرتب کتاب دیکھ رہا ہوں..... میں انہیں تہے دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے اعلحضرت کی زندگی کے اس پہلو کو زیب عنوان بنایا ہے، جو اعلیٰ حضرت کی زندگی کے ہر عنوان کا سرنامہ بھی ہے اور ان کی پوری حیات کا سرمایہ بھی ..... یہ تصوف ہی ہے جس کی برکتوں نے اعلحضرت کو وہاں پہونچایا، جہاں پہنچنے کیلئے بڑے بڑے ترستے ہیں..... اور بعض تو ترستے رہ جاتے ہیں..... تصوف کو اعلحضرت نے برتا نہیں تھا بلکہ تصوف ان پر چھایا ہوا تھا..... ان کی فطرت جمال تصوف سے متکیف تھی..... بحیثیت صوفی قادری ولی صاحب نے اس عنوان سے جیسا انصاف کیا ہے..... شاید کسی دوسرے سے وہ رنگ نہیں جم پاتا جو انہوں نے اپنے زور تصوف سے جمالیا ہے..... کسی بھی شخصیت کی سوانح پڑھتے وقت علماء کا ذوق مطالعہ علمی کمالات اور معنوی کرامت کے گرد ڈیرہ ڈالتا ہے، اور یہی ان کی شایان شان بھی ہے۔ لیکن عوام کا مذاق طبع حسی کرامات کا آرزومند ہوتا ہے..... اس کتاب میں صوفی صاحب موصوف نے عوام کے جذبات کا خصوصی خیال رکھکر پہلے اعلحضرت کو صوفیٔ باصفا ثابت کیا ہے پھر بحیثیت صوفی ان سے پھوٹنے والی نورانی کرنوں کو کرامت حسی کی شکل میں پیش کر کے کتاب کے

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

دامن کو گلنار بنا دیا ہے..... یہ ایک کامیاب کوشش ہے، انشاء اللہ عوام کی بہت بڑی ضرورت اس سے پوری ہوگی، بہت سی بیچین روحوں کو سکون وچین کی دولت نصیب ہوگی..... آج کے اس دور میں جبکہ دنیا نفرت وحقارت..... بغض وعداوت..... غصہ وانتقام..... حد وکینہ، کی آگ میں جل رہی ہے ضرورت ہے کہ صوفیائے کرام کی محبت وسوز سے بھر پور زندگی..... الفت ودرد الفت سے معمور زندگی..... جو ہر انسانیت اور گوہر آدمیت سے پرنور زندگی، کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے..... ان صوفیائے کرام میں ایک عظیم صوفی امام احمد رضا ہیں، ان کا رنگ شریعت واطاعت..... رنگ علم وعمل..... رنگ سوچ وفکر..... رنگ اصلاح وتجدید..... رنگ فلاح وصلاح قدرے لوگوں کے سامنے ہے..... مگر جسے سب سے نمایاں ہونا چاہئے وہ ہے ان کا رنگ تصوف وطریقت..... رنگ عشق ومحبت، یہ رنگ اب تک دوسرے رنگوں کے مقابلے میں اتنا مفصل لوگوں کے بیچ نہیں ہے..... صوفی قادری ولی صاحب کی یہ کوشش سراہی جانی چاہئے کہ انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر اس موضوع کا انتخاب کیا ہے..... اور حق یہ ہے کہ بالکل صحیح کیا ہے۔ امید ہے اس کتاب کے ذریعہ چلمن اٹھے گا..... پردہ سرکے گا..... بادل چھٹے گا اور جلوہ تصوف رض عام وتام ہوگا..... جن کو اب تک ایک مولانا کی حیثیت سے جانتے تھے..... ایک صوفی کی حیثیت سے ان کی پہچان ہوگی..... جن کو اب تک فاضل بریلوی کی حیثیت سے جانتے تھے..... امام تصوف وطریقت کی حیثیت سے ان کا تعارف ہوگا..... جن کو اب تک محدث بریلوی کی حیثیت سے جانتے تھے قطب الإرشاد کی حیثیت سے ان

کا چرچا ہوگا..... اور جب یہ سب ہوگا تو عاشق مصطفیٰ کی حیثیت سے افق در افق، طبق در طبق ان کا جھنڈا لہرائے گا۔

صوفیٔ باصفا امام احمد رضا اتنی خوبیوں کے جامع اور اتنے اوصاف کے حامل تھے کہ کوشش بسیار کے باوجود ان سب کا تعین بہت مشکل ہے، اور کمال یہ کہ ہر خوبی ایسی درخشاں وتاباں کہ ان میں جس پر بھی نظر پڑ جائے تو دوسری طرف رخ کرنے کی نوبت نہیں آتی، بلکہ وہ خوبی دوسری خوبیوں کی طرف متوجہ ہونے کی مہلت ہی نہیں دیتی، ان کے اوصاف میں ایک اہم وصف یہ بھی ہے کہ وہ اپنے دور کے صوفی ہی نہیں صوف گر ہیں، بہت سے حضرات صرف ان کی صحبت ورفاقت پا کر، ان کی مجلس کی نشست وبرخاست کی برکت سے تصوف کے اعلی درجہ پر پہنچ گئے، جس طرح وہ اپنی مجلس کے حاضر باشوں کو احکام شریعت سے آشنا کرتے رہتے تھے، اسی طرح وہ اپنی مجالس میں طریقت کی پیچیدہ گتھیاں بھی سلجھاتے، تصوف کی زلف پریشاں سنوارتے، اور روحانی اقدار کے چہرے پر غازہ بھی ملتے رہتے، لیکن ان کے کار تجدید واحیائے دین کا رنگ ایسا چوکھا، نمایاں، اور قوس قزحی تھا کہ دوسرے اوصاف کا رنگ اس میں چھپ کر رہ گیا، یا یہ کہہ لیجئے کہ نام ونمود، اور زیبائش ونائش کی آلائش کے پیش نظر اپنے قالب پر مجدد کی دبیز چادر ڈال کر خود ہی سارے اوصاف کو اس میں چھپا لیا تھا، تاہم ان اوصاف کی روشنی، ان خوبیوں کی خوشبو اور ان کمالات کی جلوہ ریزی کبھی بذریعہ قلم، کبھی بواسطہ گفتگو، کبھی بوسیلہ خطاب، اور کبھی بغرض اصلاح وہدایت آشکارا ہو ہو کر انجمن آرائی کرتی رہتی تھیں، امام ربانی، حضور

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مجدد کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں.....

"مجدد وہ ہے کہ اس کے زمانے میں امتوں کو جتنے فیوض پہنچتے ہیں وہ اس کے واسطے سے پہنچتے ہیں، اگر چہ اس وقت اقطاب، اور اوتاد ہوں، ابدال ونجباء ہوں،،

(مکتوبات امام ربانی، فارسی، ص ۱۵، جلد ثانی)

معلوم ہوا اپنے دور کے مجدد کی طرف رجوع کئے بغیر کسی بڑائی و بزرگی، منصب ومرتبہ کا کوئی تصور ہی نہیں ہے، مجدد ہی فیض بخش عالم ہوتا ہے، سوچنے کی بات ہے بحیثیت مجدد کیا عوام کیا علماء۔ کیا صوفیاء کیا فضلا جو سب کا مقتدا ہو وہ خود طریقت و تصوف میں کتنے اونچے مقام پر ہوگا؟ مگر اس کا جلوۂ تصوف آج بھی اتنا عام نہیں ہے جتنا ہونا چاہیئے، ضرورت ہے کہ ان کا وصف تصوف عالم آشکار ہوتا کہ اس رخ روشن سے بھی لوگ اپنی حیات کا رخ متعین اور خیالات کا قبلہ درست کر سکیں۔

تصوف کیا ہے؟ تصوف کی حقیقت کیا ہے صوفی کون ہے، اور صوفیت کے ضوابط کیا ہیں، جو نظر آتا ہے وہی حقیقت ہے یا حقیقت بناوٹ میں گم ہے، صوفیاء ہی کے آثار وآرا کی روشنی میں پہلے امور کی وضاحت ضروری ہے۔

سلطان المحققین حضرت شیخ شرف الدین یحیٰی منیری رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں۔

"زمانے میں جو خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں، ان کی وجہ سے زمانے والوں کی آنکھوں میں صوفیوں کا برا حال دکھائی دیتا ہے، ان کی پاک دامنی پر دھبے لگانے کا خاص سبب یہی ہے کہ خود صوفیوں

نے اپنی روش بدل دی ہے، اور خلاف اصول عادتوں میں مبتلا ہو کر تصوف کو بدنام کر دیا ہے، ورنہ تصوف تو دین وایمان کی جان ہے،،

(مکتوبات صدی، ص ۱۷۱)

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری فرماتے ہیں

"صفائے باطن کیلئے کچھ اصول وفروع ہیں، ایک اصل تو یہ ہے کہ دل کو غیر سے خالی کرے۔ اور فروع یہ ہے کہ مکر وفریب سے بھرپور دنیا کو دل سے خالی کر دے،، (کشف المحجوب، ص ۶۴)

ابتک یہ فیصلہ نہ ہو سکا کہ صوفی مشتق کس سے ہے، ایک جماعت کہتی ہے کہ صوفی کو صوفی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ صوف، (پشمیہ) کے کپڑے پہنتے ہیں بعض یہ کہتے ہیں وہ اول صف میں ہوتے ہیں اس لئے انہیں صوفی کہتے ہیں، ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ اصحاب صفہ کی نیابت کرتے ہیں، بعض کا کہنا یہ ہے کہ یہ نام صفا سے ماخوذ ہے آپ غور کریں تو ہر وجہ تسمیہ میں بکثرت لطائف موجود ہیں، خلاصے طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ چوں کہ صوفیائے کرام اپنے اخلاق ومعاملات کو مہذب وپاکیزہ بنا کر، طبعی آفتوں سے نفرت کرتے ہیں اس بنا پر انہیں صوفی کہا جاتا ہے، حضرت شیخ علی ہجویری اس امر کی نقاب کشائی یوں کرتے ہیں۔

"جملہ مشائخ طریقت کا اس پر اجماع ہے کہ بندہ جب مقامات کی بندشوں سے آزاد ہو جاتا ہے، اور احوال کی کدورتوں سے خالی ہو کر، تغیر وتلون کے حدود سے نکل جاتا ہے۔ اور تمام بشری

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

کدورتوں سے نجات پاجاتا ہے۔اس لئے اولیائے کاملین اور عرفاء
محققین کا نام صوفی ہے،ایک بزرگ فرماتے ہیں من صفاالحب فھو
صاف ومن صفاالحبیب فھو صوفی ،،جس کی محبت پاک وصاف ہے
،وہ صافی ہے،اور جو دوست میں مستغرق ہوکر اس کے غیر سے بری
ہووہ صوفی ہے،، (ایضاً،ص ۶۸)

تصوف کے ماننے والوں،اس کے آداب پر عمل کرنے والوں یعنی خود حضرات
صوفیاء نے صوفی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں،ایک کو صوفی ،دوسرے کو متصوف ،اور
تیسرے کو متصوف کہتے ہیں،(۱) صوفی ،وہ ہے جو خود کو فنا کر کے حق کے ساتھ مل
جائے ،(۲) متصوف ،وہ ہے جو ریاضت ومجاہدہ کے ذریعہ اس مقام کی طلب کرے
۔(۳) متصوف ،وہ ہے جو دنیاوی عزت ومنزلت کی خاطر خود کو ایسا بنالے،گویا صوفی
صاحب وصول ہے،متصوف صاحب اصول اور متصوف صاحب نقول ،اور فضول
،.....تصوف کا بانی کون ہے؟اور صوفی اول کے لقب سے کون ملقب ہے؟اس سلسلے
میں سلطان المحققین ،مخدوم جہاں،حضرت شیخ شرف الدین یحیٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ،
قرآن وحدیث کے اشارات ورموز کی روشنی میں اس راز کو یوں واشگاف کرتے ہیں۔

،،اگر تصوف کی ابتداء پر غور کروگے تو اس کو حضرت آدم علیہ
السلام کے وقت ہی سے پاؤگے،اس عالم میں پہلے صوفی حضرت
آدم علیہ السلام ہیں،ان کو حق تعالیٰ نے خاک سے پیدا کیا،پھر
اجتباء،اور اصطفاء کے مقام پر پہونچایا،خلافت عطا فرمائی پھر صوفی

بنایا.....وہ مرقع جو دریوزہ گری ،کے بعد پہنایا گیا تھا،آپ اس کو
نہایت عزیز رکھتے تھے۔آخر عمر میں وہ مرقع حضرت شیث علیہ السلام
،کو آپ نے پہنادیا،اور خلافت بھی سپرد کردی۔چنانچہ نسلاً بعد نسلٍ
اسی طریقہ پر عمل ہوتا رہا،اور تصوف کی دولت ایک نبی سے دوسرے
نبی کو یکے بعد دیگرے منتقل ہوتی رہی .....صوفی صافی اول حضرت
آدم علیہ السلام کی خلوت درانجمن کیلئے خانۂ کعبہ کی بنیاد پڑی،یعنی
دنیا میں پہلی خانقاہ بنایا،چنانچہ کعبہ مکرم ہے.....حضرت موسیٰ وعیسیٰ
علیہما السلام نے بیت المقدس کو خانقاہ بنایا،چنانچہ اور ملکوں میں بھی
خانقاہیں بنائی گئیں،جن میں عبادتیں کی جاتیں،اور اسرارالٰہی کا بیان
ہوا کرتا ،پھر جب دور مبارک حضرت سیدنا ونبینا سلطان الاولیاء
والانبیاء محمد مصطفےٰ ﷺ آپہونچا،حضور نے اسی خانقاہ کعبہ کا قصد فرمایا،
علاوہ اس کے خود مسجد نبوی میں ایک گوشہ متعین کردیا،اصحاب میں وہ
گروہ جو سالکان راہ طریقت بعنوان خاص تھا اس کے وہیں راز کی
باتیں ہوا کرتیں ،اس جماعت خاص صوفیہ سے لوگ قریب قریب
ستر اشخاص تھے،تصوف وطریقت جسکی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام
سے ہوئی،اس کا تتمہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا،،

(مکتوبات صدی،ص ۱۷۳،تا ۱۷۵،ملخصاً)

آج تو ایک طرح سے ہر بوالہوس نے تصوف پرستی شروع کردی ہے جسکو

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

دیکھئے وہی اپنے آپ کو صوفی کہتے ،اور کہلواتے نظر آتے ہیں ،راز دار شریعت وطریقت حضرت مخدوم جہاں فرماتے ہیں۔

''تم اس بات کا یقین کرلو کہ جو شخص طریقت کی راہ کا طلبگار ہو،اس کے پاس شریعت کی پونجی ہونا ضرور چاہیے تا کہ قبضۂ شریعت سے شہر طریقت میں پہونچے ،طریقت میں جہاں قدم درست ہوا؟ ملک حقیقت میں پہنچ جانا آسان ہے،جس بے علم نے شریعت ہی کو نہیں سمجھا ہے،وہ طریقت کو کیا پہچانے گا۔اور جب طریقت ہی سے شناسائی نہیں ہے،تو حقیقت تک کیوں کر رسائی ہوسکتی ہے،اس لئے بے علم ومعرفت ،اور ناواقف شریعت کو اس راہ میں چلنے کی اجازت نہیں ،اگر اپنی خودرائی سے کوئی ایسا کرے گا تو بھٹک کر رہ جائے گا، اور اسی چکر میں اس کی جان بھی چلی جائے گی ،بالکل ناممکن ہے کہ وہ منزل مقصود تک پہنچ سکے ، اگر بغرض محال ،گورانہ وجاہلانہ مجاہدہ وریاضت سے کچھ نظر آ گیا،تو اتنا غرور پیدا ہوگا، جہالت بڑھے گی، اور حماقت تیز ہوگی ۔کہ ایمان تک رخصت ہو جائے گا ،اور شیطان کے پھندے میں پھنسا رہے گا،تم اس بات کا یقین کامل کرلو کہ،اللہ تعالیٰ کسی جاہل کو ولی نہیں بناتا ،ما اتخذ اللہ ولیا جاھلا،مشائخ کا قول ہے،اور قرآن شریف میں بھی اس طرف اشارہ ہے،ولم یکن لہ ولی من الذل،خداوند جل وعلا جاہل کو دوست کبھی نہیں بناتا ،حقیقت یہ

ہے کہ جہالت سے بڑھکر کوئی چیز ذلیل نہیں ،یہ ساری ذلتوں کی جڑ ہے،اللہ تعالیٰ کی راہ میں قدم رکھنا دل لگی نہیں ہے،بزرگوں کا قول ہے کہ سالک کو جب بارہ چیزوں کا علم ہوتا ہے تو وہ اس راہ کے لائق سمجھا جاتا ہے،(۱)علم توحید ،(۲)علم رسالت ،(۳)علم معاملت ،(۴)علم معرفت ،(۵)علم حالت (۶)علم مکاشفت ،(۷)علم مشاہدت ،(۸)علم خطاب ،(۹)علم سماع ،(۱۰)علم وجد،(۱۱)علم معرفت روح ،(۱۲)علم معرفت نفس ،پھر ان علوم کے اصول وفروع کی واقفیت بھی ضروری ہے،(مکتوبات صدی۔ص ۱۷۶،۱۷۷)۔

ظاہر ہے جب علم ہی نہیں ہے تو وہ حلال وحرام کو کیسے جان پائے گا،اور جب تک جانے گا نہیں حلال کا التزام اور حرام سے اجتناب کیسے کر پائے گا،اور جب خود نہیں کر پائے گا،تو اپنے مریدوں سے کیسے کرا پائے گا، اور جب تک یہ نہیں ہوگا تقوی کا تصور بھی نہیں ہو پائے گا،اس لئے کہ تقویٰ حلال پر چلنے اور حرام سے بچنے ہی کا نام ہے،اور جب تقویٰ نہیں تو ولایت نہیں۔اسی لئے تمام صوفیائے کرام، علمائے اسلام نے علم پر زور دیا،اور فرمایا اللہ تعالیٰ کسی جاہل کو ولی نہیں بناتا،مگر،ہاں! جسے ولی بنانا چاہتا ہے،اسے جاہل نہیں چھوڑتا،علم چاہے کسبی ہو یا وہبی مگر ہو،علم نور ہے جب یہ رہے گا تو حیات اور معاملات حیات کا ہر گوشہ منور وتاباں رہے گا،اسی لئے شرائط مرشد کی تیسری شق ذکر کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں.....

"علم فقہ اس کی اپنی ضرورت کے قابل کافی ،اور لازم کہ

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

عقائد اہلسنت سے پورا واقف، کفر واسلام، ضلالت وہدایت کے
فرق کا خوب عارف ہو، ورنہ آج بدمذہب نہیں، کل ہو جائے گا"
(فتاویٰ افریقہ، امام احمد رضا)

جس خوش نصیب میں علم بھی ہو اور آداب شریعت کا لحاظ وخیال بھی اس کا قلب معرفت الٰہی کے نور سے یقیناً جگمگا اٹھے گا حضرت ابوالقاسم قشیری رضی اللہ عنہ رسالہ مبارکہ "قشیریہ" میں ص ۳۰ر پر سیدی ابوالعباس احمد، محمد الأدمی، معاصر سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہ کا فرمان نقل کرتے ہیں۔ "من الزم نفسه آداب الشرعية نور الله قلبه بنور المعرفة ولا مقام اشرف من مقام متابعة الحبيب في اوامره وافعاله واخلاقه "جو اپنے اوپر آداب شریعت لازم کرلے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نور معرفت سے روشن کردے گا، اور کوئی مقام اس مقام سے بڑھ کر معظم نہیں کہ نبی ﷺ کے احکام، افعال، عادات، سب میں حضور کی پیروی کی جائے (مقال عرفاء ص ۲۰) یہ نفور باطل ہے کہ علماء اور صوفیاء دو الگ اور بے تعلق جماعتیں ہیں، علمائے ربانین ہی صوفیائے کاملین ہیں، صوفیا اور علماء میں کبھی بعد نہیں رہا، خانقاہوں کے زینت سجادہ حضرات ہی اپنے وقتوں میں مدارس کے فخر المدرسین بھی تھے، دارالإشاعت کے عمدۃ المولفین بھی، اور خانقاہ کے زبدۃ العارفین بھی، آج کلیات وجامعات کی کثرت کے باوجود انسان کو انسان بننا میسر نہیں، یہ سب کچھ خانقاہی نظام سے نفرت کے باعث ہے۔ یہ درست سہی کہ خانقاہی نظام میں وہ پہلی سی بات نہ رہی، تاہم اس کے آثار تو موجود ہیں، اس کی

اصلاح تو ممکن ہے، درس گاہ اور خانقاہ یک جسم یک جان ہوتے ہیں تو علم کے فوارے اور عمل کے چشمے سے آبادی کی آبادی جل تھل اٹھتی ہے۔ اور علم وعمل کی سنگم شخصیت کی زبان سے نکلی ہوئی بولی بولی نہیں ہوتی قند کی ڈلی ہوتی ہے۔ معین الملۃ والدین حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ، برصغیر کے خوش عقیدہ مسلمان جن کی بارگاہ کو اپنی روحانی چھاؤنی، اور آخری پناہ گاہ تصور کرتے ہیں، آپ نے صرف تین جملوں میں تصوف کے جلال وجمال کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے، ان کی نظر میں سب سے بڑا صوفی، اللہ کا دوست یعنی ولی اللہ کون ہے؟ تو فرماتے ہیں۔

"حضرت پیر ومرشد کا قول ہے کہ جس شخص میں یہ تین
خصلتیں ہوتی ہیں، وہ اللہ کا دوست ہوتا ہے، اول: دریا جیسی
سخاوت، دوم: آفتاب جیسی شفقت، سوم: زمین جیسی تواضع"
(ہندوپاک کے اولیاء، ص ۴۹)

صاحب تذکرہ، صوفیٔ باصفا عاشق مصطفیٰ، امام احمد رضا چوں کہ قادری سلسلے کے صوفی وبزرگ ہیں اور قادری سلسلے کے بانی حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے جام محبت کے ایسے مست ہیں کہ ان کے افکار وخیالات کی جنت میں ہر سو غوث اعظم کے قدم مبارک کی پہچل سنائی دیتی ہے، ان کے تصورات ونظریات کے آفاق پر ہر دم غوث اعظم کی یادوں کا سورج ضوفشاں رہتا ہے، اس لئے آیئے دیکھیں کہ صوفی وتصوف کے حقائق پر غوث اعظم کے خیالات کیا ہیں، اور ان خیالات کی روشنی میں اعلیٰ حضرت کی حیات وخدمات، جذبات وملکات کا مطالعہ کریں کہ انہوں نے

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

کس کس طرح ان فرمودات کے لعل و گہر سے اپنے خزینہ روحانیات کو سجایا ہے، اور دوسروں کے بھی بے نور دل و دماغ کو درخشاں کرنے کی سعی فرمائی ہے، ولی جن کی حیات کا مقصود اصلی ہی خدا تک رسائی اور خدا کو پالینا ہوتا ہے، حضور غوث پاک نے اس راستے کے پیچ و خم، منزل مقصود، اور عرفان الٰہی تک کے سنگ میل کی نشاندہی فرمادی ہے۔

ارشاد گرامی ہے۔

"اقرب طرق الی اللہ تعالی لزوم قانون العبودیة والإستمساك بعروة الشريعة "اللہ عزوجل کی طرف سب سے زیادہ قریب راستہ قانون بندگی کو لازم پکڑنا، اور شریعت کی گرہ کو تھامے رہنا ہے۔"

(مقال عرفاء، ص ۱۶، بحوالہ بہجۃ الأسرار ص ۵۰)

ولی کی پہچان کچھ لوگوں نے کرامت کو ٹھہرالی ہے، ان کی نظر تلاش اس تگ ودو میں ہوتی ہے کہ خارق عادت، افعال کا صدور، محیر العقل کارنامہ کا ظہور ہو، اگر اتفاق سے ایسا ہوگیا تو ان کی جبین عقیدت جھک جاتی ہے، ورنہ ولی ماننے میں ہی انہیں تامل ہوتا ہے، ولی کی سب سے بڑی پہچان شریعت پر استقامت ہے، دیکھئے کتنے واضح لفظوں میں حضور غوث پاک فرماتے ہیں۔

"کرامة الولی الستقامة فعله علیٰ قانون قولِ النبی ﷺ"

ولی کی کرامت یہ ہے کہ اس کا فعل نبی ﷺ کے قول کے قانون پر پورا

اترے۔ (ایضا، ص ۳۹، وایضا، ص ۱۵)

تصوف، حقیقت تصوف اور لوازم تصوف کے حوالے سے جتنے جواہر پارے اب تک آپ کی بزم نظر سے گذرے ہیں ان تمام کو صرف دو جملوں میں اگر دیکھنا چاہیں تو حضور غوث پاک کا فرمان ایک بار پھر دیکھ لیجئے جس نے بھی جو کچھ بھی کہا ہے اس کی روح آپ کے ارشاد گرامی میں موجود ہے، امام احمد رضا نے ارشاد غوث اعظم کو تا حین حیات حرز جاں بنائے رکھا، زندگی و بندگی کے ہر مرحلے میں ہمیشہ اس کو پیش نظر رکھا، نسبت قادریت کی برکت نے امام احمد رضا کو بریلی کی زمین سے اٹھایا، اور وقطبیت کے آسمان پر پہونچادیا، امام احمد رضا کی اس روحانی بلندی کو دیکھ کر بڑے بڑے محو حیرت واستعجاب ہیں، اس میں حیرت کی چنداں کوئی بات نہیں ہے، فطرت جس غنچے کی شگفتگی چاہتی ہے اس پر شبنم کے چھینٹے دیدیتی ہے، اس کی حنا بندی خود کرتی ہے، اعلی حضرت کو جو خاندان ملا، اس خاندان کی گود میں تصوف کا سورج اگتا اور ڈوبتا تھا، جو اساتذہ واکابر ملے وہ طریقت کے آسمان کے نجم وقمر تھے، اور حسن اتفاق سے جو پیر ملے روحانیات کی دنیا کی شہنشاہی انہیں نصیب تھی، ان سب نے مل کر ان کے بچپن کو شریعت کا رنگ، ان کے شباب کو طریقت کا آہنگ، اور ان کی ضعیفی کو حقیقت کے کیف سے ایسا سرشار کردیا کہ معرفت ان پر ناز کرنے لگی۔

مثلا (۱) آپ کے دادا قطب دوراں حضرت مولانا شاہ رضا علی خان صاحب نے شہر ٹونک میں مولانا خلیل الرحمان صاحب سے علوم دینیہ حاصل کر کے بائیس سال کی عمر میں سند حاصل فرمائی۔ آپ کے علم کا شہرہ ہندوستان میں دور تک پھیلا، آپ سلوک

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

وتصوف میں کامل درک رکھتے تھے، پر اثر تقریر فرماتے تھے، زہد وقناعت، فقر واستغناء، حلم وتواضع آپ کا خاص وصف تھا، آپ اپنے وقت کے قطب تھے، بے شمار کرامتیں آپ سے ظہور میں آئیں۔ (۲) آپ کے والد عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم نقی علی خان صاحب نے اپنے والد ماجد قدس سرہ سے علوم ظاہرہ وباطنہ حاصل فرمایا۔ علوم ظاہری میں تو آپ کا نظیر نہ تھا، اور علوم باطنہ کا یہ عالم کہ دولت کشف سے آپ مالا مال تھے، جو فرمادیا ویسا ہی ظہور میں آیا، ایک مرتبہ بریلی میں قحط پڑا، مسلمانوں نے حاضر خدمت ہوکر عرض کی، آپ نے فرمایا ہمارے ساتھ چلو، ایک جم غفیر آپ کے پیچھے پیچھے تھا، ابھی راستے ہی میں تھے کہ پانی برسنا شروع ہوگیا، اور اتنا برسا کہ گھٹنوں گھٹنوں پانی میں لوگ اپنے اپنے گھر آتے۔ (تجلیات امام احمد رضا، ص ۳۰) (۳) آپ کے اساتذہ میں نور العارفین حضرب سید ابوالحسین احمد نوری بھی ہیں، جو آپ کے روحانی مربی بھی ہیں، آپ کو گیارہ سال کی عمر میں آپ کے جد اکرم وشیخ طریقت خاتم الاکابر حضور سید آل رسول مارہروی نے مجاہدات وسلوک اور خاص ادعیہ خاندانی، مثلاً حزب البحر، چہل اسم، حرز یمانی وغیرہم کی دعوت باقاعدہ آپ سے ادا کرائیں، آپ کی ریاضت کو دیکھ کر آپ کی جدہ ماجدہ گھبرا جاتیں اور روکنا چاہتیں، تو آپ کے جد امجد ارشاد فرماتے کہ رہنے دو، ان کو عیش وآرام سے کیا کام، یہ کچھ اور ہی ہیں، اور ان کو کچھ اور ہی ہونا ہے، یہ اقطاب سبعہ میں سے ایک قطب ہیں جن کی بشارت حضرت شاہ بوعلی قلندر پانی پتی نے دی ہے (تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص ۳۸۱) (۴) آپ کے اکابر میں ایک اہم نام

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا شاہ فضل الرحمان گنج مرادآبادی کا ہے، ۲۷ رمضان المبارک ۱۲۹۲ھ میں، اعلی حضرت، حافظ بخاری حضرت محدث سورتی کی رفاقت میں آپ سے ملنے گئے، ادھر گنج مرادآباد میں بغیر کسی ظاہری اطلاع کے شاہ صاحب نے مریدوں سے فرمایا کہ آج ایک شیر حق آرہا ہے، چلو اس کا استقبال کیا جائے، چنانچہ قصبہ سے باہر تشریف لاکر استقبال فرمایا، اپنے مخصوص حجرے میں مہمان ٹھہرایا، عصر کے بعد اعلی حضرت کی طرف سے اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا" مجھے آپ میں نور ہی نور نظر آتا ہے" نیز فرمایا میرا جی چاہتا ہے کہ مین اپنی ٹوپی آپ کو اڑھادوں، اور آپ کی ٹوپی خود اوڑھ لوں، یہ فرما کر اپنی ٹوپی اعلی حضرت کو اڑھادی اور اعلی حضرت کی ٹوپی خود اوڑھ لی۔ اس وقت اعلی حضرت کی عمر صرف بیس سال کی تھی اور حضرت شاہ صاحب کی ۸۴ سال کی (۵) آپ کے پیرومرشد خاتم الاکابر حضرت مخدوم الشاہ سید آل رسول مارہروی رضی اللہ تعالی عنہ کی تعلیم وتربیت والا ماجد کی آغوش شفقت میں ہوئی، ۱۲۲۶ھ میں حضرت شیخ العالم عبد الحق ردولوی المتوفی ۸۷۰ھ کے عرس مبارک کے موقع پر مشاہیر لماء ومشائخ کی موجودگی میں دستار فضیلت سے سرفراز فرمایا گیا، اسی سال حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے درس حدیث میں شریک ہوئے، صحاح ستہ کا دورہ کرنے کے بعد سلاسل حدیث وطریقت کی سندیں مرحمت ہوئیں، آپ علوم ظاہری وباطنی کے بحر ناپیدا کنار تھے، آپ کے مکاشفہ میں عجیب شان تھی، اپنے اسلاف کی زندہ وتابندہ یادگار تھے، آپ کے مرید وخلیفہ خاص امام اہلسنت اعلی حضرت نے فارسی زبان میں آپ

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

کے فضائل پر ۴۲/ اشعار قلمبند فرمائے جس کا مطلع ہے۔

خوشا دے کہ دہندش ولائے آل رسول

خوشا سرے کہ کنندش فدائے آل رسول (ایضا۔ص ۳۷۰)

سلوک وتصوف کا جو ہرا بھرا ماحول آپ کو ملا تھا، اور طریقت ومعرفت کی جن نورانی کڑیوں سے آپ وابستہ تھے، اس کا اثر وفیض آپ کو پہنچتا ہی تھا، اسی لئے کیا بچپن اور کیا جوانی حیات کے جس باب کو دیکھئے تابناک نظر آتا ہے، صرف بچپن کے حالات اگر یکجا کر دیئے جائیں تو کمالات دیکھ کر آپ ہی کہیں گے کہ یا تو یہ مکتب کی کرامت، یا صاحب نظر کا فیضان نظر۔ ہم صرف اشارہ کر کے آگے بڑھتے ہیں، مثلاً (۱) بسم اللہ خوانی کے وقت ساڑھے تین سال کی عمر میں "لا" پر اعتراض کرنا کہ الف بھی پڑھ لیا اور لام بھی، پھر دوبار کا بشکل مرکب "لا" "کیوں؟" (۲) ناظرہ قرآن پڑھتے وقت کسی آیت میں استاذ کا زبر بتانا، آپ کا غیر اختیاری طور پر زیر پڑھنا، اور دوسرے نسخہ قرآن سے مطابقت پر آپ کی تائید کا ملنا، (۳) استاذ کے جواب "جیتے رہو" پر اعلیٰ حضرت کا یہ کہنا کہ یہ تو سلام کا جواب نہ ہوا، وعلیکم السلام کہنا چاہئے (۴) چھ سال کی عمر میں جلسہ عید میلاد النبی ﷺ کے موضوع پر مجمع عام میں دو گھنٹہ تقریر کرنا، (۵) ۸/ برس کی عمر میں عربی کتاب کا عربی زبان میں حاشیہ لکھدینا (۶) استاذ سے سبق پڑھنے کے بعد ایک دو مرتبہ دیکھ لینے پر پورا سبق ازبر ہو جانا اور استاذ کو سنا دینا، (۷) کسی بھی کتاب ابتدائی چند بحث پڑھ لینے کے بعد بقیہ پوری کتاب کا خود ہی حل کر لینا، (۸) تیرہ سال دس ماہ پانچ دن کی عمر میں تمام علوم مروجہ

عقلیہ ونقلیہ، عالیہ وآلیہ، جدیدہ وقدیمہ سے فارغ ہو جانا، (۹) جس دن فارغ ہوئے اسی دن رضاعت کے مسئلہ کا جواب لکھنا اور والد صاحب کا خوش ہو کر فتوی نویسی کا پورا کام آپ کو سونپ دینا، وغیرہ وغیرہ۔

آپ کی ایام طفلی سے عنفوان شباب تک کے یہ وہ چند واقعات ہیں جو ہمیشہ ذکر کئے جائینگے، اور جب بھی ذکر کئے جائینگے شیخ سعدی کا یہ شعر یاد آئے گا کہ:

بالائے سرش زہوشمندی می تافت ستارہ بلندی

چودہ سال کی چھوٹی سی عمر میں فراغت کے بعد کار افتاء کی ذمہ داری سنبھالتے ہی جب آپ نے گرد وپیش کو شریعت کی میزان اور طریقت کی ترازو پر تولا تو حالات حاضرہ کے ہر شعبے کو کہیں کمی اور کہیں زیادتی کا شکار پایا، اگر شریعت میں بدعت کی آمیزش کی وجہ سے چہرہ شریعت دھندلا نظر آ رہا تھا، تو طریقت میں جہالت کی آلائش کے سبب روح طریقت مجروح نظر آ رہی تھی، ستم بالائے ستم لوگوں نے اپنے مفاد کی خاطر شریعت وطریقت دونوں کو دو خانوں میں تقسیم کر رکھا تھا، ایسے میں اسلام بچانے کی فکر ہی بہت بڑی بات ہے چہ جائے کہ کارزار عمل میں سرگرم عمل ہونا۔ حق کو باطل سے نور کو ظلمت سے، چھانٹ چھانٹ کر الگ کرنا، خالص شریعت اور شفاف طریقت سے دنیا کو آشنا کرنا، یہ معاملہ جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا مگر اصلاح فکر وعمل، اور فلاح جسم وروح کے لئے ایک ماہر سرجن کی طرح آپ کو جو کرنا تھا، کسی کی چیخ وپکار کی پرواہ کئے بغیر وہ سب کچھ کر دیا جس کے بغیر نہ شریعت کا کوئی وقار تھا اور نہ طریقت کا کوئی اعتبار، زمانہ دیکھتا رہ گیا اور فتح ونصرت نے بڑھ کر جھنڈا

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

گاڑ دیا، یہ وہ عظیم مجاہدہ ہے جس کو ہر مجاہدہ رشک کی نظروں سے دیکھتا ہے، آپ خود فرماتے ہیں۔ "مجاہدہ کے لئے اسی برس درکار ہیں اور رحمت توجہ فرماتے تو ایک آن میں نصرانی سے ابدال کر دیا جاتا ہے، اور صدق نیت کے ساتھ مشغول مجاہدہ ہو تو امداد الٰہی خود کار فرما ہوتی ہے، عرض کیا گیا وہ یہ تو اگر اسی کا ہو رہے تو ہو سکتا ہے، دینوی ذرائع معاش اور دینی خدمات سب چھوڑنا پڑینگی، فرمایا اس کے لئے یہی خدمات مجاہدات ہیں، بلکہ اگر نیت صالح ہے تو ان مجاہدوں کے اعلیٰ، امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ایک عالم صاحب کی وفات ہوئی، ان کو کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا، فرمایا جنت عطا کی گئی، نہ علم کے سبب بلکہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اس نسبت کے سبب جو کتے کو راعی کے ساتھ ہوتی ہے، کہ ہر وقت بھونک بھونک کر بھیڑوں کو بھیڑیئے سے ہوشیار کرتا رہتا ہے، مانیں نہ مانیں ان کا کام، فرمایا کہ بھونکے جاؤ، بس اس قدر نسبت کافی ہے، لاکھ ریاضتیں، لاکھ مجاہدے اس نسبت پر قربان، جس کو یہ نسبت حاصل ہے اس کو کسی مجاہدے کی ضرورت نہیں، اور اسی میں کیا ریاضت تھوڑی ہے؟ جو شخص عزلت نشیں ہو گیا، نہ اس کے قلب کو کوئی تکلیف پہنچ سکتی ہے، نہ اس کی آنکھوں کو، نہ اس کے کانوں کو، اس سے کہئے جس نے اوکھلی میں سر دیا ہے، اور چاروں طرف سے موسل کی مار پڑی ہے" (الملفوظ، ج ۳، ص ۳۸) اعلیٰ حضرت کے اس بیان پر علامہ محمد احمد مصباحی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اب آپ امام احمد رضا کے شب و روز کا جائزہ لیں اور

دیکھیں انہوں نے کتنا عظیم مجاہدہ کیا ہے، پوری زندگی خدمت دین اور پیارے مصطفیٰ ﷺ کی بھولی بھالی بھیڑوں کو ہوشیار کرنے، اور رہزنان دین کی گالیاں سننے میں بسر کی ہے، اور یہ سلسلہ بعد وصال بھی جاری ہے، ایک طرف ان کی تصانیف سے حفاظت دین و مسلمین ہوتی جارہی ہے، تو دوسری طرف، مخالفین کی جانب سے گالیوں کا بھی تانتا بندھا ہوا ہے، یہی وہ عظیم مجاہدہ تھا کہ ان کے مرشد طریقت نے کسی اور ریاضت کی ضرورت نہ سمجھی، بلکہ بیعت کے ساتھ، خلافت و اجازت کا تمغہ امتیاز بھی بخشدیا، اور اس اعزاء سے بھی سرفراز کر دیا کہ "روز قیامت، اگر احکم الحاکمین نے فرمایا، کہ آل رسول، تم میرے لئے کیا لاتے ہو؟ تو میں احمد رضا کو پیش کروں گا۔

(امام احمد رضا اور تصوف، ص ۴۸)

حضرت خاتم الاکابر نے ۲۲ سالہ نوجوان میں وہ کون سی خوبی دیکھ لی کہ اپنا زاد آخرت اپنے اس مرید کو بنالیا، پوچھنے پر آپ نے جواب دیا تھا کہ اور لوگ میلا کچیلا دل لیکر آتے ہیں، انہیں بذریعہ ریاضت صاف کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، یہ صاف ستھرا دل لے کر آئے، صرف نسبت کی ضرورت تھی وہ میں نے پوری کر دی، دل کا صاف و شفاف ہونا یہ کوئی آسان بات نہیں ہے، گناہ چھوٹا ہو چاہے بڑا ہر گناہ سے دل پر داغ پڑتا ہے، مگر جس ۲۲ رسالہ پاکدامن نوجوان کا دل اتنا مصفیٰ ہو کہ خاتم الاکابر جیسی عبقری شخصیت اس کی گواہی دے، بلکہ اس پر ناز کرے، وہ احکام

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

شریعت کے عامل، اور آداب طریقت کے حامل کے سوا دوسرا ہو ہی نہیں سکتا ہے، وہ تو وہ خوش نصیب انسان ہے قرآن نے جس کے لئے دارین کی فلاح کی ضمانت دی ہے، قد افلح من تزکی، تحقیق کہ وہ کامیاب ہوگیا جس نے اپنے دل کو پاک کرلیا، اور یہ چیز تقویٰ کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتی، اور تقوی ولایت کی شرائط میں ایک اہم شرط ہے، اور جب شرط ولایت پائی گئی تو ولایت حاصل ہوگئی اس کا صاف مطلب یہ نکلا کہ دل کی صفائی کی بات کہ کر حضرت خاتم الاکابر نے ۲۲ رسال کی عمر میں آپ کے ولی ہونے کی بشارت دی ہے۔ ولایت کیا ہے اللہ کی پسندیدگی کی سند ہے، اور اللہ کو وہ بہت پسند ہے جو اللہ کے بندوں کو اللہ کی بات بتائے، قرآن نے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو خیر امت کی دلیل بنایا ہے، جو بھی اس عمل خیر سے گذرے گا، خیر کی سعادت کا تاج اس کے سر رہے گا، علامہ ابن جوزی، صفۃ الصفوۃ میں حضرت سفیان بن عیینہ کا ارشاد نقل کرتے ہیں۔

"ارفع الناس منزلة من كان بين الله وبين عباده وهم الانبياء والعلماء" لوگوں میں سب سے بلند رتبہ وہ حضرات ہیں جو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں یہ انبیاء اور علماء ہیں۔

(صفۃ الصفوۃ، ج ۲، ص ۱۳۱)

ایک صحرانشیں، خلوت گزیں صرف اپنے کو نار جہنم سے بچانے کی تدبیر کرتا ہے، اور ایک مخلص و بے ریا صاحب ہمت و مجاہدہ عالم ربانی ایک جہان کو عذاب آخرت سے بچانے کی سعی کرتا ہے، یقیناً یہ اس سے افضل و اعلیٰ ہے، یہ مجاہدہ

وریاضت، یہ اصلاح وہدایت، یہ جہد مسلسل ومشقت، یہ خدمت دین وملت، و یہ جذبہ فروغ شریعت وطریقت ہی رضائے مصطفیٰ اور وصل ومولیٰ کے لئے کافی ووافی ہے اس پر مستزاد، حضرت پیر ومرشد کی تعلیم وتربیت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا، اعلی حضرت خود فرماتے ہیں جمادی الاولی ۱۲۹۴ھ میں شرف بیعت سے مشرف ہوا، تعلیم وتربیت حضور پرنور مرشد برحق سے حاصل کی ۱۲۹۶ھ میں حضرت کا وصال ہوا، تو قبل وصال مجھے حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری، اپنے ابن الابن، ولیعہد، وسجادہ نشیں کے سپرد فرمایا، (حیات اعلیحضرت، ص ۴۴، ۴۵) اور اعلحضرت نے بھی بآں علم وفضل ہمیشہ اپنے آپ کو حضرت نوری میاں کے جاروب کشوں میں شمار کیا، اور ادب وتواضع کا وہ مظاہرہ کیا کہ ابر کرم برستا رہا اور اعلی حضرت نہال ہوتے رہے۔ حضرت نوری میاں کی شان میں اعلی حضرت قصیدہ لکھتے، اور بزبان خود پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے، ذرا ان کی کیف ومستی کا یہ عالم دیکھئے:

برتر قیاس سے ہے مقام ابوالحسین — سدرہ سے پوچھو رفعت بام ابوالحسین

حاضرین پر وجد طاری ہے، طویل منقبت پڑھنے کے بعد مقطع پیش کرتے ہیں۔

ہاں طالع رضا تری اللہ رے یاور لی — اے بندہ جدود کرام ابوالحسین

وہ دیکھئے محفل نور آراستہ ہے حضرت رضا، حضرت نوری میاں کے روبرو دوزانو بیٹھے ہیں، اعلی حضرت تازہ مدحیہ قصیدہ لائے ہیں وہ نذر کررہے ہیں، قصیدے کا نام ہے، "مشرقستان قدس" مقطع پر پہنچ کر عرض کرتے ہیں۔ اتنا

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

کہدے رضا ہمارا ہے۔ پار بیڑا ہے احمد نوری۔

اسی مقطع کی تکرار کر رہے ہیں، اور بڑے نیاز سے عرض کر رہے ہیں "اتنا کہ دے رضا ہمارا ہے" "اتنا کہ دے رضا ہمار ہے" "اتنا کہ دے رضا ہمارا ہے" اعلی حضرت نے حضور نوری میاں کی آنکھوں میں کچھ دیکھ لیا، چہرے کو پڑھ لیا، اور نیاز نے اچانک "ناز" کا رنگ لے لیا، اعلی حضرت نے دوسرا مقطع نذر کیا

اے رضا کیوں ملوں ہوتے ہو ہاں تمہارا ہے احمد نوری

اب اسی مصرع کی تکرار ہے "ہاں تمہارا ہے احمد نوری۔ ہاں تمہارا ہے احمد نوری۔ ہاں تمہارا ہے احمد نوری" حضرت نوری میاں کو اعلی حضرت کی یہ ادا کچھ ایسی بھائی کہ، آپ نے اپنا عمامہ مبارک سر سے اتارا اور اعلی حضرت کے سر پر باندھ دیا، گویا سند مل گئی "ہاں تمہارا ہے احمد نوری" اعلی حضرت نے عرض کیا حضور یہ عمامہ نہیں میرے سر کا تاج ہے، یہ سن کر مولانا عبد المقتدر صاحب نہ فرمایا کہ مولانا یہ "تاج الفخر" ہے، دیکھا گیا تو اس لفظ سے اس واقعہ کی سند بر آمد ہوتی ہے "تاج الفخر" (۱۳۱۵) پھر حضرت نوری میاں نے اس تحریر پر تنویر سے مفتخر فرمایا، چشم و چراغ خاندان برکاتیہ مارہرہ، مولانا احمد رضا خان، دام عمرہم و علمہم، یہ خطاب میں نے آپ کو بایماء غیبی پہنچادیا، بطوع و رغبت آپ کو قبول کرنا ہوگا۔ اور میں نے بطیب خاطر، بلا جبر و اکراہ، بہ رغبت قلب یہ خطاب آپ کو ہبہ کیا، اور بخش دیا، یہی خط اس کی سند میں باضابطہ رہے، فقط ابو الحسین نوری، مارہرہ۔ (جام نور، جنوری ۱۹۰۸ء)

بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ امام احمد رضا نے وہ منازل سلوک اور مراحل

طریقت بھی طے فرمائے جو بے توجہ مرشد کامل طے نہیں ہوتے، خود اپنی طبعی کوشش، فطری خواہش، اکابر و اساتذہ کی نوازش، اور اس پر مرشد برحق کی روحانی آرائش نے امام احمد رضا کے طبقات حیات کو ایسا روشن و منور، اور معنبر و معطر کر دیا کہ دوسروں کو بھی انہیں نقوش و خطوط پر چلانا ان کا وطیرہ مرکزی نکتہ اور نصب العین بن گیا۔ مشائخ و عرفاء کا اس پر اجماع ہے کہ شریعت کا چھوڑنے والا طریقت کی ہوا بھی نہیں پا سکتا، امام احمد رضا اپنی تصنیف مقال عرفاء میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

"شریعت کی حاجت ہر مسلمان کو ایک ایک سانس، ایک ایک پل، ایک ایک لحہ مرتے دم تک ہے، اور طریقت میں قدم رکھنے والوں کو اور زیادہ از راہ جس قدر باریک اسی قدر ہادی کی زیادہ حاجت، اے عزیز شریعت عمارت ہے، اس کا اعتقاد بنیاد اور عمل، چنائی، پھر اعمال ظاہرہ وہ دیوار ہیں کہ اس بنیاد پر ہوا میں چنے گئے ہیں، اور تعمیر اوپر بڑھ کر آسمانوں تک پہنچی وہ طریقت ہے، دیوار جتنی اونچی ہوگی نیو کی زیادہ محتاج ہوگی، احمق وہ جس پر شیطان نے نظر بندی کر کے، اس کی چنائی آسمانوں تک دکھائی، اور دل میں یہ ڈالا کہ اب ہم تو زمین کے دائرے سے اونچے گذر گئے، ہمیں اس سے تعلق کی کیا حاجت، نیو دیوار سے جدا کر لی، اور نتیجہ وہ ہوا جو قرآن عظیم نے فرمایا: فانها ربه فی نار جهنم، اس کی عمارت اسے لے کر جہنم میں ڈھے پڑی۔ والعیاذ بالله رب العالمین، اسی لئے اولیاء کرام فرماتے ہیں، صوفی جاہل شیطان کا مسخرہ ہے، اسی لئے حدیث میں آیا حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: فقیه واحد اشد علی الشیطان من الف عابد، ایک فقیہ شیطان پر ہزار

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

عابدوں سے زیادہ بھاری ہے، بے علم مجاہدے والوں کو شیطان انگلیوں پر نچاتا ہے، منہ میں لگام، ناک میں نکیل ڈال کر جدھر چاہے کھینچے پھرتا ہے، حضور غوث پاک فتوح الغیب میں ارشاد فرماتے ہیں، جس حقیقت کی گواہی شریعت نہ دے وہ زندقہ ہے، اور امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں، جس حقیقت کو شریعت باطل بتائے وہ حقیقت نہیں بلکہ کفر ہے، امام الطریقت سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ "صوفی اسے کہتے ہیں، جو ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں سنت نبویہ لئے ہو" اب بھی جو شخص یہ کہے کہ شریعت اور ہے، طریقت اور ہے، اولیائے کرام، صوفیائے عظام کے ارشاد کے بموجب "مردود ہے" جسم پاک مصطفیٰ ﷺ کے حالات کا نام شریعت ہے۔ قلب پاک کے احوال کا نام طریقت ہے، سر پاک کے احوال کا نام حقیقت ہے، اور روح پاک کے حالات کا نام معرفت ہے۔ غرض کہ ذات پاک مصطفیٰ ﷺ ان چاروں کا مرکز ہے "یہ تھا امام احمد رضا کے قلم سے نکلا ہوا شریعت وطریقت کا وہ مغز کہ یہ جہاں کہیں بھی ہوں گے، شریعت کی توانائی بھی وہیں رہے گی اور طریقت کی تازگی بھی۔ امام احمد رضا نے اپنے زور قلم اور طبع رسا سے اس طرح انہیں اوراق پر سجادیا ہے کہ جو ان سے قریب ہوتا ہے یا ان کو اپنے سے قریب کرلیتا ہے وہ بھی چمک اٹھتا ہے، روحانیات کا تمام حسن، طریقت کی تمام جمالیاتی قدریں اس میں سمٹ آتی ہیں۔ ایسی علم ریز اور عمل خیز بحث وہی کرسکتا ہے جو خود شریعت کا جامع اور طریقت کا ماہر ہو، جس کے قالب پر شریعت کا نقش ونگار اور قلب پر طریقت کا باغ وبہار جلوہ بار ہو، چونکہ رس عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ باریک

بین صوفیٔ کامل بھی ہو، علم اور عمل جب گلے ملے ہیں، شریعت وطریقت جب ہم آہنگ ہوئے ہیں تب امام احمد رضا صوفیٔ باصفا ہوئے ہیں اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان کی یہ خوبیاں اضافی ہیں نہیں بلکہ بچپن ہی سے وہ ان اوصاف سے متصف تھے ان کے بچپنے کے کوائف بولتے ہیں کہ وہ شروع ہی سے صوفی تھے۔ اسی لئے ان کی سیرت میں صرف علم کا دعوی نہیں، عمل کی دلیل بھی ہے۔ نماز اور روزہ احکام شرع میں دو ایسے احکام ہیں کہ جو ان کا مکمل پابند ہوتا ہے وہ دوسرے احکام میں بھی ذرہ برابر کوتاہی نہیں کرتا، اختصار کے پیش نظر ہم روزہ ونماز کا صرف ایک ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں، جس سے یہ اندازہ ہوگا کہ وہ تقوی ہی نہیں ورع کی منزل بلند پر فائز تھے، اور ان اولیاء ہ الا المتقون کے مطابق متقی کامل اور ولی عارف تھے، امام احمد رضا کی زندگی کا آخری رمضان ۱۳۳۹ھ میں تھا، اس وقت ایک تو بریلی میں سخت گرمی تھی، دوسرے عمر مبارک کا آخری حصہ، اور ضعف ومرض کی شدت، شریعت اجازت دیتی ہے کہ شیخ فانی روزہ نہ رکھ سکے تو فدیہ دے، اور ناتواں مریض کو اجازت دیتی ہے کہ قضا کرے۔ لیکن امام احمد رضا کا فتوی اپنے لئے کچھ اور ہی تھا، جو درحقیقت فتوی نہیں تقوی تھا، انہوں فرمایا، بریلی میں شدت گرما کے سبب میرے لئے روزہ رکھنا ممکن نہیں، لیکن پہاڑ پر ٹھنڈک ہوتی ہے، یہاں سے نینی تال قریب ہے، بھوالی پہاڑ پر روزہ رکھا جاسکتا ہے، مین وہاں جانے پر قادر ہوں، لہذا میرے اوپر وہاں جا کر روزہ رکھنا فرض ہے، چنانچہ رمضان وہیں گذارے، اور پورے روزے رکھے، ۲۵ر صفر ۱۳۴۰ھ کو وصال ہوتا ہے، مرض مہینوں سے تھا اور ایسا کہ چلنے پھرنے کی

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

طاقت نہیں، شریعت اجازت دیتی ہے کہ ایسا مریض گھر میں تنہا نماز پڑھ لے، مگر امام احمد رضا جماعت کی پابندی کرتے، چار آدمی کرسی پر بیٹھا کر مسجد تک پہونچاتے، جب تک اس طرح حاضری کی قدرت تھی جماعت میں شریک ہوتے رہے، علامہ محمد احمد مصباحی نے اپنے استاذ محترم حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے حوالے سے جمل النور فی نهی النساء عن زيارة القبور کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ایک بار مسجد لے جانے والا کوئی نہ تھا، جماعت کا وقت ہوگیا، طبیعت پریشان، ناچار خود ہی کسی طرح گھسٹتے ہوئے حاضر مسجد ہوئے، اور باجماعت نماز ادا کی، آج صحت وطاقت اور تمام تر سہولت کے باوجود ترک نماز، اور ترک جماعت کے ماحول میں یہ واقعہ ایک عظیم درس عبرت ہے" (امام احمد رضا اور تصوف، ص ٥٦) یہ انداز وادا، یہ روش حیات، یہ جذبہ عبودیت وہ استقامت علی الشریعت جسے غوث اعظم نے کرامت کہا ہے، اور یہی وہ کرامت ہے جس کے بارے میں سید المکاشفین حضرت محی الدین ابن عربی نے فرمایا کہ اس میں استدارج اور مکر کا دخل نہیں، یہ اصل کرامت معنوی ہے" لیکن ان کی حیات میں بہت سی کرامات حسی بھی موجود ہیں جو (١) امام احمد رضا اور تصوف کے " کرامات "والے حصے میں۔ (٢) تجلیات امام احمد رضا، میں۔ (٣) سیرت اعلی حضرت مع کرامات میں، (٤) اور خصوصیت کے ساتھ، حیات اعلی حضرت (٥) "صوفی باصفا، امام احمد رضا" میں ملاحظہ کا مام احمد رضا کی کرامتوں میں یہ بھی عظیم اور نمایاں کرامت ہے کہ ان کے خلفاء، اور تلامذہ اور مریدین اصحاب کرامت ہوئے ہیں، مثلاً (١) ملک العلماء حضرت مولانا سید حور

ظفر الدین، عبادت وریاضت میں کبھی کوئی کمی نہیں آئی، نہ ان کے روزانہ کے معمولات میں کوئی فرق آیا، زندگی کے آخری دن تک وہ علمی ودینی فرائض حسب معمول انجام دیتے رہے، شب دوشنبہ ١٩ر جمادی الأخری ١٣٨٢ھ ١٨ر نومبر ١٩٦٢ء کو ذکر جہد اللہ، اللہ کرتے، انہوں نے اپنی جان، جان آفریں کو اس طرح سپرد کی کہ کچھ دیر تک اہل خانہ کو اس بات کا احساس بھی نہیں ہوا کہ وہ واصل بحق ہو چکے ہیں" (مقدمہ الجامع الرضوی، ص ١٠) (٢) صدر الشریعہ حضرت علامہ محمد امجد علی اعظمی، مصنف بہار شریعت، علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد برسات کی وجہ سے مزار شریف کا ایک حصہ کھل گیا، پورا باغ خوشبو سے معطر ہوگیا، عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ یہ خوشبو نہ پہلے ہم نے کسی چیز میں پائی، نہ بعد میں اس کی نظیر نظر آئی، اعلی حضرت کے خلف اصغر حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان علیہ الرحمہ ملفوظات کے دیباچے میں فرماتے ہیں۔ محبت بغیر رنگ لائے نہیں رہتی، اور پھر اچھوں کی صحبت، اور وہ بھی کون جنہیں سید العلماء کہیں تو حق یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا، جنہیں تاج العرفاء کہیں تو تجا، جنہیں مجدد وقت اور امام اولیاء تعبیر کریں تو صحیح، جنہیں حرمین طیبین کے علمائے کرام نے مدائح جلیلہ سے سراہا، ان السيد الفرد الام کہا۔ ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئے، انہیں اپنا شیخ طریقت بنایا، ان سے سندیں لیں، اجازتیں لیں، انہیں اپنا استاذ بنایا، پھر ایسے کی صحبت، کیسی بابرکت صحبت ہوگی، سچ تو یہ ہے کہ صحبت کی برکت نے انسان کر دیا، میر یجان، ان پاک قدم پر قربان، جب سے یہ قدم پکڑے، آنکھیں کھلیں، اچھے بدرے کی تمیز ہوئی، اپنا نفع وزیاں سوجھا، منہیات

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

سے تابمقدور احتراز کیا، اور اوامر کی بجا آوری میں مشغول ہوا (الملفوظ، ج ۱، ص ۴) یہ اعتراف استفاضہ کافی ووافی ہے، (۳) اب آپ خود حضور مفتی اعظم ہند کی زندگی پر نظر ڈالیں، شریعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی زندگی، طریقت کی میزان پر تلی ہوئی زندگی اور کشف وکرامات سے بھری ہوئی زندگی، اس زندگی کے جلوے اب بھی بہت سی نگاہوں میں محفوظ ہیں، میں سمجھتا ہوں حضرت خواجہ غریب نواز کے بعد پورے برصغیر میں سب سے زیادہ جس بزرگ کی کرامتیں زبان زد خواص وعام ہیں، اور عمومی مجالس سے خصوصی محافل تک سنی اور سنائی جاتی ہیں وہ حضور مفتی اعظم ہند کی کرامتیں ہیں، مفتی اعظم ہند کون ہیں؟ اعلی حضرت کے دستر خوان تصوف کے ریزہ چیں، اعلی حضرت کے میکدہ معرفت کے بادہ خوار، ظاہر ہے کہ جب زندگی کا یہ عالم ہے تو، زندگی ساز کا عالم کیا ہوگا۔ امام احمد رضا کے دور حیات میں طریقت ظلم وجہالت کے پنجے میں سسک رہی تھی، ایک تو انگریزوں کا ساختہ وپرداختہ گروہ تھا جو تصوف کے وجود پر ہی سوالیہ نشان لگا رہا تھا، دوسری ٹولی نام نہاد صوفیوں کی تھی جو اپنی ناروا حرکتوں سے تصوف کی مٹی پلید کر رہی تھی، اور اپنی اس حرکت مکروہی پر وہ اتنے جری تھے کہ کچھ سننے کو تیار نہیں تھے، امام احمد رضا نے تصوف کی یہ حالت زار دیکھی تو بحیثیت صوفی آپ تڑپ اٹھے، اور تصوف کے دفاع میں اپنی علمی وعملی فوج میدان میں اتار دی، پھر کیا تھا کتابوں کا عسکری دستہ، رسائل کی وہ کمک بھیجی کہ خانقاہ سے لے کر درگاہ تک رضا کے نام کی دھوم مچ گئی، درگاہ حضرت محبوب الہی نظام الدین اولیاء کے سجادہ نشین حضرت خواجہ حسن نظامی کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ۔

"بریلی کے مولانا احمد رضا خان صاحب جن کو ان کے معتقد مجدد مأۃ حاضرہ کہتے ہیں، درحقیقت طبقہ صوفیاء کرام میں باعتبار علمی حیثیت کے منصب مجددی کے مستحق ہیں انہوں نے ان مسائل اختلافی پر معرکہ کی کتابیں لکھی ہیں جو سالہا سال سے فرقہ وہابیہ کے زیر تحریر وتقریر تھیں، اور جن کے جوابات گروہ صوفیہ کی طرف سے کافی وشافی نہیں دیئے گئے تھے..... جماعت صوفیاء علمی حیثیت سے مولانا موصوف کو اپنا بہادر صف شکن سیف اللہ سمجھتی ہے۔ اور انصاف یہ ہے کہ بالکل جائز سمجھتی ہے"

(ہفت روزہ خطیب، دہلی، ۲۲/مارچ ۱۹۱۵ء)

آپ نے خانقاہوں اور صاحب خانقاہ کے تقدس کی خاطر پوری زندگی جہاد بالقلم فرما کر خانقاہی نظام کو درست کرنے کا انمول ضابطہ حیات عطا فرمایا، اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ آج پھر بیشتر خانقاہیں، ہوا، وہوس، ی، و، ہو، میں مبتلا اپنے محسن کے لائحہ عمل سے جداگانہ ہے، ورنہ آج اگر پوری خانقاہیں امام اہلسنت کو اپنا قائد اور محسن مان کر آپ کے بتائے اصول پر گامزن ہو جائیں تو آج بھی خانقاہیں رشد وہدایت کا سرچشمہ بن سکتی ہیں، تصوف کا اصلی رمز آپ کی ذات سے فروغ پایا، اور آج اگر خانقاہیں محفوظ ہیں، مقابر ڈھائے نہیں گئے، آثار مقدسہ کی عظمت برقرار ہے تو یہ صدقہ ہے مجدد اعظم قدس سرہ کا، اس لئے کسی خانقاہ اور صاحب خانقاہ کو چھیڑے بغیر آپ ہی کی ذات پر ہر باطل اور بدمذہب حملہ کر رہے ہیں، طریقت وتصوف کے باب میں امام احمد رضا کی یہ بھی ایک امتیازی خصوصیت ہے کہ مروجہ تمام سلاسل کی اجازت وخلافت آپ کو حاصل تھی، آپ کی بارگاہ کے عقیدت کیش

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

نے جن سلاسل سے اجازت وخلافت طلب کی ہے، آپ نے انہیں اسی سلسلے کی اجازت وخلافت سے نوازا ہے، چار مشہور سلسلے قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، ہوں یا دیگر سلاسل آپ سبھی سلاسل کے امین وفیض بخش تھے، کچھ برسوں پہلے ادارہ قاری، دہلی نے اعلی حضرت قدس سرہ کے ہاتھ کا قلمی خلافت نامہ شائع کیا تھا، حضرت محدث بریلوی نے یہ چشتیہ سلسلہ کا خلافت نامہ، حضرت علامہ سید غلام علی، بن حضرت مولانا سید نور محمد معینی قدس سرہ کو عطا فرمایا تھا، یہ ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے، اس دستاویزی سند سے خانقاہ رضویہ اور اجمیر مقدسہ سے روحانی وعرفانی تعلقات کی بھرپور نشاندہی ہوتی ہے.....امام احمد رضا نے فن تصوف کی بھی اپنی شاہکار تصانیف سے گلزار بنادیا ہے، اور خانقاہی ودرگاہی نظام وادب پر بھی اپنے افکار کے جوہر دکھادیئے ہیں، درج ذیل کتابوں سے ان امور پر خوب روشنی ڈالی ہے، مثلاً (۱) کشف حقائق واسرار دقائق، (۲) الیاقوتة الواسطه فی قلب عقد الرابطه، (۳) انهار الأنوار من یم صلوة الأسرار، (۴) ازهار الأنوار من صباء صلوة الأسرار، (۵) مقال عرفاء۔ ان کے علاوہ دیگر تصانیف میں بھی مضامین تصوف جابجا موجود ہیں، (۱) الملفوظ، جس کے جامع ومرتب حضور مفتی اعظم ہند ہیں، مگر یہ آپ ہی کے مجلسی ملفوظات کا مجموعہ ہے، اس میں مسائل تصوف کے نہاں سے نہاں اور عیاں سے عیاں گوشے پر اپنے خصوصی انداز میں لفظوں کے گوہر لٹائے ہیں، (۲) الدولة المکیة، جو علم غیب مصطفیٰ پر آپ کی تاریخی تصنیف ہے، اس میں وحدت وجود وشہود

ومعبود سے متعلق رقمطراز ہیں،

''حقیق وجود صرف اللہ کے لئے ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، سب سے سچی بات جو عرب نے کہی وہ لبید شاعر کا قول ہے''

الأكل شئ ما خلا الله باطل، ہمارے نزدیک ثابت ہو چکا ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کا معنی، عوام کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور خواص کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مشہود نہیں، اور جو مقام نہایت تک پہنچ گئے، ان کے نزدیک یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی موجود نہیں، اور سب حق ہے، مدار ایمان اول پر ہے، مدار اصلاح دوم پر، کمال سلوک، سوم پر، اور وصول الی اللہ کا مدار، چہارم پر، اللہ تعالی ہمیں ان چاروں معانی سے حظ کامل عطا فرماتے، اپنے احسان وکرم سے آمین، (الدولة المکیة، ص، ۳۲۴) (۳) فتاویٰ افریقہ، اس میں آپ نے فلاح ظاہر، فلاح باطن، وقع، امید، احسان، شیخ اتصال، شیخ ایصال، بیعت برکت، بیعت ارادت، شرائط مرشد وغیرہ پر جو نفیس ولذیذ بحث فرمائی ہے اس کے بارے میں صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ آپ ہی کا حق وحصہ ہے، مرشد کی بحث میں فرماتے ہیں، کلام اللہ وکلام الرسول، وکلام ائمہ شریعت وطریقت، وکلام علمائے دین، اہل رشد وہدایت ہے، رسول کا پیشوا، کلام اللہ جل وعلا وﷺ۔ فلاح ظاہر ہو خواہ فلاح باطن، اسے اس مرشد سے چارہ نہیں، جو اس سے جدا ہے، بلاشبہ کافر یا گمراہ، اور اس کی عبادت برباد وتباہ".....امام احمد رضا کی یہ وہ چند تصانیف، اور تصانیف میں جلوہ ریز علمی شہ پارے ہیں، جس نے تصرف کونیٔ شان وشوکت عطا کی۔ اس کو اس کی

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

رفعت گم شدہ، وعظمت برگشتہ سے آشنا کیا، نہ صرف مقام متعین کیا بلکہ مقام پر متمکن کیا، ورنہ کچھ ایسی چیزیں داخل تصوف ہوگئی تھیں، یا کردی گئی تھیں جن کی وجہ سے پورا سرمایہ تصوف تنقید وتضحیک کا اہداف بن کر رہ گیا تھا، امام احمد رضا کی ہمت مومنانہ، جرات اندانہ، شفقت عارفانہ، اور جسارت عاشقانہ نے ہر ملاوٹ سے تصوف کو پاک کردیا، امام احمد رضا کے اس غیر معمولی جذبہ تحفظ تصوف کو سراہتے ہوئے، اس کے ثمارت ونتائج پر ڈاکٹر وحید کوثریوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

"امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف اور اس کے مسائل پر جو کتاب تصنیف فرمائی ہیں، وہ نہ صرف تصوف کے دقیق مسائل کو قرآن اور حدیث کی روشنی میں واضح کرتی ہیں، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ، یہ کتابیں ان لوگوں کے لئے بھی قابل مطالعہ ہیں، جو تصوف سے متعلق صحیح معلومات نہیں رکھتے اور ان کے لئے بھی، جو تصوف کو قرآن وحدیث سے بالکلجدا سمجھتے ہیں وآپ کی ان تصانیف سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ تصوف سے متعلق پھیلے ہوئے غلط خیالات کو روکا جاسکا، تو دوسری طرف بھٹکتی تحریک کے راستے سے، ہندو فلسفے کے اثرات جو اسلامی تصوف پر نمایاں ہورہے تھے، ان پر بند باندھا جاسکا، اس وقت خانقاہی نظام کے بعض جہلا نے یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ بھی اسلامی تصوف کا جزو ہیں، حالانکہ بعض مسلمان صوفیوں نے معرفت کی باتیں عوام کو سمجھانے کے لئے روز مرہ کے تشبیہوں، اور عام

زندگی سے متعلق واقعات کا سہارا لے تھا اس لئے کہ عرفان الٰہی کو سمجھنا ہندوستان کے نو مسلم طبقے کے لئے مشکل تھا، ان مسلمان صوفیوں کی یہ روایت ذرا آگے بڑھی تو گمرہی پھیلنے لگی، امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف کے ذریعہ اس گمرہی کا سد باب فرمایا۔ آپ کی تصانیف سے صوفی کے صحیح مفہوم، اور اس کی پہچان کی کسوٹی ہاتھ آسکی" (قلمی نسخہ، صوفی باصفاء امام احمد رضا، ص ۲۸، ۲۹)

ہر مرید اپنے پیر پر اعتماد کلی رکھے یہ کمال عقیدت ہے، اور پیر اپنے مرید پر اعتماد رکھے یہ معراج کمال ہے، حضور خاتم الاکابر کو اپنے مرید باوفا امام احمد رضا کے علمی تبحر، اور فکری رسوخ پر اتنا اعتماد تھا کہ اپنے ولی عہد حضرت نوری میاں سے فرمایا، دیکھو! ہماری اور ہمارے خاندان کے اکابر کی جو کتابیں شائع ہوں، مولانا عبدالقادر بدایونی، اور مولانا احمد رضا خان کو دکھالی جائیں، یہ جیسے اصلاح کریں قبول کی جائے، پھر اشاعت ہو، ایک طرف یہ تواضع کی انتہا ہے تو دوسری طرف چاہتوں کا نقطہ عروج کہ پیر اپنے مرید سے اپنی اور خاندان کی کتابوں پر اصلاح چاہے، اور ایسا کیوں نہ ہو کہ یہاں تو

تو من شدی من تو شدم تو تن شدی من جاں شدم
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

کیا حسین منظر، نظر آرہا ہے، روز اول ہی مرشد گرامی نے توجہ تشبیہی ڈال کر، اپنے رنگ میں ایسا رنگ دیا کہ جب حجرہ بیعت سے باہر آئے تو پہچان مشکل تھی کہ

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

ان میں پیر کون ہے؟ اور مرید کون؟ صرف داڑھی کی سفیدی اور سیاہی سے دونوں میں امتیاز کیا جاسکا، وہ کیسا صاحب تصرف پیر ہوگا جو ایک ہی نظر میں قلب ماہیت کردے، اور ایک جست میں وہاں پہونچادے جہاں پہنچنے کے لئے برسوں کی ریاضت درکار ہوتی ہے، مگر یہ مارہرہ مقدسہ کی نشان ہے، ہر دور میں اس خانقاہ کے افق سے ولایت کا نیر درخشاں طلوع ہوا ہے، آج بھی جہاں کا ذرہ ماہتاب بن کر ابھرتا، اور آفتاب بن کر چمکتا ہے، جواہر وہاں سے اٹھتا ہے وہ کشت زار انسانیت پر ٹوٹ ٹوٹ کر برستا ہے، آخر وہ کون سا جوہر اس صدف میں پنہاں ہے کہ وہاں کا فیض یافتہ اقران واماثل پر فائق وممتاز ہوجاتا ہے، طریقت کے جس ہیرے نے امام احمد رضا کی قدر و قیمت روحانی دنیا میں اتنی بڑھادی کہ موجودہ تمام خانقاہوں کی بھی وہ آبرو بن گئے، سلوک کا شان عظمت، اور تصوف کا طرہ امتیاز بن گئے۔ ہم نے جو تجسس وتفحص سے پایا ہے وہ صرف دو چیزیں ہیں، ایک "ادب" اور دوسری "تواضع" (تذکرہ مشائخ قادریہ، رضویہ، ص، ۳۷۴) یہ دونوں چیزیں وہاں ریاضت ومجاہدہ کے ذریعہ روح میں اتاردی جائے، اور اگر ضرورت مجاہدہ نہیں ہے تو نظر کے پیمانے سے پلادی جائے، یہ وہ نشہ تھا کہ ترشی کی کیا مجال جو اتاردے۔ ان دو جوہروں سے لیس، اور فیض قادری سے فیضیاب ہوکر جب مراحل دنیا میں قدم رکھتا تھا تو جہاں وہ بیٹھ جاتا چراغ ہدایت جل اٹھتا تھا، جدھر نکل جاتا سر بلندی وسرافرازی کا کارواں اتر پڑتا تھا، امام احمد رضا کی عالمی شہرت، اور آفاقی مقبولیت اسی گوہر مقصود کی محسوس برکتیں ہیں، ادب وتواضع نے انہیں اتنا بلند کردیا کہ،

بلندیاں ان کا منہ تکتے رہ گئیں، عظمتیں فرش راہ بنتی، اور رفعتیں تحت قدم بچھتی چلی گئیں، اور وہ ہر این وآں سے بلا خوف وخطر گذر گئے۔ یہ تو بلا وجہ لوگوں نے مشہور کردیا ہے کہ وہ بڑے سخت مزاج اور متشدد تھے، تھے، مگر کب؟ رزم حق وباطل کے وقت، ورنہ حلقہ یاراں میں وہ ریشم سے زیادہ نرم تھے۔ ادب جس کی فطرت میں اور تواضع جس کی طبیعت میں داخل وشامل ہو وہ تند خو کیسے ہوسکتا ہے، چند واقعات ناگہانی حالات، عینی مشاہدات، حاضر ہیں آپ خود فیصلہ کیجئے کہ وہ کیا ہیں؟ انسان! یا فرشتہ؟ کسی کی زندگی معلوم کرنے کے لئے اس کے پڑوسیوں کا بیان خاص طور سے قابل غور ہوتا ہے، پڑوسیوں سے کچھ نہ کچھ نزاع ہو ہی جاتی ہے، اس لئے بعض ایسے بھی ملتے ہیں کہ اپنے دنیوی نقصان کے باعث اپنے نیک پڑوسیوں کی بھی بے جا شکایت کرتے ہیں، مگر امام احمد رضا کے پڑوسی بھی ان کے معترف نظر آتے ہیں،

(۱) محمد شاہ خاں ایک معزز زمیندار اور اعلی حضرت کے پڑوسی تھے، عمر اعلی حضرت سے زیادہ تھی، سید ایوب علی صاحب وسید قناعت علی صاحب نے ایک دن دیکھا کہ یہ اپنی زمینداری، وسن رسیدگی کے باوجود بڑے ادب سے آستانہ رضویہ کی جاروب کشی کررہے ہیں، سید قناعت علی صاحب کو گوارہ نہ ہوا، آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ سے جھاڑو لینا چاہی مگر حاجی صاحب نہ مانے، اور فرمانے لگے، صاحبزادے یہ میرا فخر ہے کہ اپنے شیخ کے آستانہ عالیہ کی جاروب کشی کروں، عمر میں، میں حضور سے بڑا ہوں، ان کا بچپن دیکھا جوانی دیکھی، اور اب بڑھاپا دیکھ رہا ہوں، ہر حالت میں یکتائے زمانہ پایا، تب ہاتھ میں ہاتھ دیا، بڑھاپے میں تو ہر کوئی بزرگ ہوجاتا ہے، انہیں بچپن

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

سے یکتائے روزگار دیکھ رہا ہوں۔ (۲) ایک صاحب داخل سلسلہ ہو کر کسی وظیفہ کے خواہش مند ہوئے، ان کی داڑھی حد شرع سے کم تھی، فرمایا جب داڑھی شرع کے مطابق ہو جائے گی، وظیفہ بتا دیا جائے گا، کچھ دنوں کے بعد پھر درخواست کی، فرمایا، کسی التماس کی ضرورت نہیں، جب داڑھی شرع کے مطابق ہو جائے گی خود وظیفہ بتا دیا جائے گا، نفل پر واجب مقدم ہے۔ (۳) کسی عالم نے بہ نیت اعتکاف مسجد میں قیام کیا، اور پان وغیرہ بھی کھایا، اگالدان بھی رکھا، بعض لوگ جو ان کی نیت اعتکاف سے باخبر نہ تھے معترض ہوئے، اعلی حضرت کے پاس سوال آیا، اعتراض کرنے والوں کو حکم مسئلہ اور مرتبہ عالم بتاتے ہوئے تنبیہ کی، آخر میں یہ بھی لکھا، "علماء کو چاہئے کہ اگر چہ خود نیت صحیحہ رکھتے ہوں، عوام کے سامنے، ایسے افعال جن سے ان کا خیال پریشان ہو نہ کریں، کہ اس میں دو فتنے ہیں، جو معتقد نہیں، ان کا معترض ہونا، غیبت کی بلا میں پڑنا، عالم کے فیض سے محروم رہنا، اور جو معتقد ہیں ان کا اس کے افعال کو دستاویز بنا کر بے علم نیت خود مرتکب ہونا، عالم فرقہ ملامتیہ سے نہیں کہ عوام کو نفرت دلانے میں اس کا فائدہ ہو، مسند ہدایت پر ہے، عوام کو اپنی طرف رغبت دلانے میں ان کا نفع ہے، احیانا ایسے افعال کی حاجت ہو تو اعلان کے ساتھ اپنی نیت اور مسئلہ شریعت عوام کو بتا دے (۴) غرباء کی دلجوئی کا بڑا خیال تھا، مخلص غرباء کی دعوت نہ رد کرتے نہ بعد میں کوئی حرف شکایت زبان پر لاتے، بلکہ خدام کو حیرت ہوتی کہ کھانا کیسے تناول فرمایا، تو ارشاد ہوتا، ایسی خلوص کی دعوت ہو تو میں روزانہ قبول کرنے کو تیار ہوں۔ (۵) خدمت دینی پر اپنوں کی مدح اور غیروں کی قدح، انسان کو عجب و کبر، یا نفسانی غصہ انتقام میں مبتلا کر دیا کرتے ہیں مگر

امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں "بخدا میں نہ ان اکابر علماء اولیاء کی مدح پر اتراتا ہوں، نہ ان دشمنان خدا و رسول کی گالیوں سے غصہ میں آتا ہوں، خدا کا شکر ہے کہ اس نے اس ناچیز کو اس قابل بنایا کہ اس کے اتنی دیر تو میرے آقا کی بدگوئی سے بار ہتے ہیں۔ (۶) مولانا سید شاہ ابوسلمان محمد عبدالمنان قادری جو ابتداءً اعلی حضرت کے مخالف تھے، انہوں نے یہ تحریری بیان دیا کہ "اعلی حضرت اخلاق نبوی ﷺ کی ایک زندہ مثال ہیں، آپ کی زیارت نے تمام و کمال، فقیر پر یہ ثابت کر دیا کہ جو کچھ بھی آپ کی تعریفیں ہوتی ہیں وہ کم ہیں" (۷) علمائے اسلام کی توقیر و تعظیم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے دیتے، علامہ شامی اور محقق علی الاطلاق جیسے اکابر کی باتوں پر کلام کرتے ہیں مگر ادب اور تواضع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، جب کہ آج اکابر پر اس طرح حرف گیری کی جاتی ہے کہ وہ طفل مکتب معلوم ہوں، یہ ان لوگوں کا حال ہے جنہیں امام احمد رضا کے علوم کا پچاسواں حصہ بھی نصیب نہیں، ایک رد المختار میں علامہ شامی نے فرمایا، اس اعتراض کا حل ہماری سمجھ میں نہ آیا، اعلی حضرت نے جد الممتاز میں اس پر لکھا" وظهر لنا ببركة خدمة كلما تكم "آپ کے کلمات پر کام کرنے کی برکت سے ہمیں سمجھ میں آ گیا، (۸) ایک بار پیلی بھیت آتے وقت ٹرین میں تاخیر تھی، تو اسٹیشن پر آرام کرسی بیٹھنے کو دی گئی، فرمایا یہ تو بڑی متکبرانہ کرسی ہے، تشریف رکھا مگر پشت نہ لگائی، اور وظائف میں مشغول رہے۔ (۹) رمضان میں بعد افطار صرف پان کھا لیتے، اور سحری کے وقت ایک چھوٹے سے پیالے میں فیرینی تناول فرماتے، زمانہ اعتکاف میں ایک دن ملازم بچہ، دو گھنٹے کی تاخیر سے پان لے کر آیا، حضرت نے اس کو ایک چپت مار کر

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

فرمایا، اتنی دیر میں لایا، اس ایک چپت مارنے پر انہیں رات بھر فکر رہی، آخر سحر کے وقت اسے بلوایا، اور فرمایا کہ، رات جو تاخیر ہوئی اس میں تمہارا قصور نہ تھا، بھیجنے والے کی تو تا ہی تھی، لجہ سے غلطی ہوئی کہ تمہیں چپت ماری، اب تم میرے سر پر چپت مارو، ٹوپی اتار کر اصرار فرماتے رہے، بچہ دم بخود کانپنے لگا، ہاتھا جوڑ کر عرض کیا حضور میں نے معاف کیا، فرمایا تم نابالغ ہو، تمہیں معاف کرنے کا حق نہیں، چپت مارو، پھر اپنا بکس منگوا کر مٹی بھر پیسے نکالے، اور فرمایا یہ پیسے تم کو دونگا، چپت مارو، آخر خود اس کا ہاتھ پکڑ کر بہت سی چپتیں اپنے سر پر لگائیں، اور پھر اسے پیسے دے کر رخصت کیا، (۱۰) وقت وصال سے کچھ ایام پہلے کا چشم دید واقعہ مولانا جعفر شاہ پھلواروی لکھتے ہیں، کہ نماز جمعہ کے بعد اپنے ضعف ومرض کی حالت میں، درد واثر میں بھری ہوئی آواز میں چند وداعی کلمات کچھ اس طرح کہے، "میری طرف تمام اہلسنت مسلمانوں کو سلام پہونچادو، اور میں نے کسی کا قصور کیا ہے تو میں اس سے بڑی عاجزی سے، اس کی معافی مانگتا ہوں، مجھے خدا کے لئے معاف کردو، یا مجھ سے کوئی بدلہ لے لو"۔ (امام احمد رضا اور تصوف، ص ۵۹، تا ۶۶، ملخصاً)

ادب وتواضع جو اسلام کا خاص عنوان، اور تصوف کی جان ہے کاش ہمارے علماء صوفیاء درسگاہیں اور خانقاہیں پھر ان جوہروں سے آباد ہوجائیں، صرف ان دو چیزوں کے اٹھ جانے سے ع رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی، کا سماں نظر آنے لگا ہے، خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گوارکن کی کیفیت پیدا ہو چلی ہے، درسگاہ سے تجلیات، اور خانقاہ سے تاثیرات رخصت ہوگئی ہیں، محبت، مروت، وفا، شفقت ماضی

کی روایات کے کھنڈرات میں جیسے گم ہیں، جہاں پیار کا ساگر چھلکتا تھا، وہاں ایک بوند کو لوگ ترسا رہے ہیں، یہ ادب وتواضع ہی تھا جس نے تا زندگی امام احمد رضا اخلاص پرست، اخلاق دوست، اور انسانیت نواز رکھا، اور اولیائے کرام کی بارگاہ کا ایسا والہ وشیدا بنادیا کہ خاصان خدا یہ کہیں سے بھی، کسی نے بھی، کوئی بھی جسارت کی تو فوراً دفاع فرمایا ایک طرف شان اولیائے کرام کو مصنوعی تصوف کی دہلیز پر بھینٹ چڑھنے سے بچایا، تو دوسری طرف جرح وقدح کی صلیب پر صوفیائے اسلام کو مصلوب ہونے سے محفوظ رکھا۔ ع بندہ مجبور ہے خاطر یہ ہے قبضہ تیرا

یہ سرکار غوث اعظم کے ایک ارشاد کا ترجمہ ہے، بعض حضرات کو اس پر اعتراض ہوا، اسی طرح ع حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو، میں لفظ شہنشاہ پر ایک صاحب کو مبالغت کا خدشہ ہوا، دونوں کا مفصل جواب، ایک رسالہ میں فرمادیا، "فقہ شہنشاہ وان القلوب بید المحبوب بعطاء اللہ" رسالہ کا نام ہے، اعتراض کے جواب میں دلائل کی موسلا دھار بارش، اور برگارہ محبوبان خدا سے پیہم نوازش کا منظر دیکھنا ہو تو ایک بار وہ رسالہ ضرور پڑھتے۔ حضرت مخدوم جہاں، تاجدار بہار، شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری، فردیوسی رضی اللہ عنہ پر کسی نے اعتراض کیا، اس کے جواب میں مکمل ایک رسالہ حجب العوار عن مخدوم بہار، تصنیف فرمایا، سارے اعتراض کی اس طرح قلعی کھول دی کہ معترض یہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کا وظیفہ یاد دلادیا، اور حضور مخدوم بہار کی عظمت اپنی اصل شان ووقار کے ساتھ ضیا بار ہوگئی۔ کتاب کا ایک نسخہ لے کر بہار شریف تشریف لائے، اور بصد عقیدت آستانہ عرض نشان پر پیش فرمایا۔ بزرگان دینا کی

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

بارگاہ سے بے لوث عقیدت کا یہ صلہ آپ کو ملا کہ ان خاصان خدا نے بھی اپنی توجہ باطنی، اور مرحمت خصوصی سے آپ کو خوب خوب نوازا، یہ الطاف خسروانہ نہیں تو اور کیا ہے کہ مزار کسی بھی بزرگ کا ہو، معمولات اہلسنت بجالائیے تو لوگ کہتے ہیں بریلوی ہے۔ اولیاء کرام کے کرم کی فصل ایسی لہلہائی، خصوصا تاجدار بغداد، قطب ربانی، حضور غوث اعظم جیلانی نے وہ توجہ فرمائی کہ اپنا نائب بنالیا، قطب الارشاد کے منصب پر فائز کردیا، مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند رضی اللہ عنہ رقمطراز ہیں۔ حضور شیخ المشائخ شاہ سید علی حسین اشرفی میاں، قدس سرہ العزیز، وضو فرمارہے تھے، کہ یکبارگی رونے لگے، یہ بات کسی کی سمجھ میں نہ آئی، کہ کیا کسی کیڑے نے کاٹ لیا ہے؟ میں آگے بڑھا، تو فرمایا! بیٹا میں فرشتوں کے کاندھے پر قطب الارشاد کا جنازہ دیکھ کر رو پڑا ہوں، چند گھنٹے کے بعد بریلی کا تار ملا، تو ہمارے گھر میں کہرام پڑ گیا، حضرت والا صاحب کی زبان پر بے ساختہ تاریخ وصال جاری ہوگئی ،،رحمتہ اللہ علیہ ،،(قاری کا امام احمد رضا نمبر ص۲۵۹) اس واقعہ سے تحقیق ہوگیا کہ منزل ولایت میں اعلحضرت مرتبہ قطب الارشاد پر فائز ہیں، بہت سے واقعات اس سلسلے میں موجود ہیں کہ ارباب باطن کو سرکار غوثیت سے یہی بتایا گیا کہ ہمارا نائب بریلی میں احمد رضا ہے، مبلغ اسلام حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔

تمہیں پھیلا رہے ہو علم حق اکناف عالم میں
امام اہلسنت نائب غوث الوریٰ تم ہو

قطب کون ہوتا ہے، اس کے فرائض کیا ہوتے ہیں۔ اس کا دائرہ کار و اختیار کیا ہوتا ہے، نائب غوث اعظم ہونا کتنا عظیم منصب ہے؟ ان سب پر سلطان التارکین حضرت سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمتہ اللہ علیہ لطائف اشرفی میں یوں روشنی ڈالتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے بعض اولیاء کو اپنی بارگاہ عالی کا، نائب بنایا ہے، اور انہیں اہل عالم کے امور کی اصلاح، و بنی آدم کے حاجات کی تدبیر و تکمیل کا کام سونپا ہے، یہ حضرات امور کی انجام دہی میں باہم ایک دوسرے کے محتاج، اور ایک دوسرے کے تاون سے کام کرنے والے ہوتے ہیں، البتہ قطب تمام اہل عالم میں سے وہ ذات واحد ہے، ہر وقت ہر زمانے میں جس پر اللہ کی نظر رہتی ہے، اور وہ اسرافیل علیہ السلام کے قلب پر ہوتا ہے، وہ قطبیت کبریٰ جو قطب الاقطاب کا مرتبہ پر فائز ہوتا ہے، اور یہ باطن نبوت ہے، پس وہ یعنی قطب آپ ﷺ کی المکمیت کے ساتھ مختص ہونے کی وجہ سے آپ کے باطن پر، اور آپ کا وارث ہوتا ہے،

جب تک ہر ولایت میں قطب نہ ہوں، برکات وحسنات کا ظہور، اور دنیاوی معاملات کی درستگی ممکن نہ ہوگی، واصلین بارگاہ الٰہیہ جو اہل اللہ میں، دو قسم پر ہیں ان میں سے ایک قسم وہ ہے، جنہیں دنیا کی محبت سے کوئی تعلق نہیں، احوال شریعت پر سلامتی کے ساتھ چلتے ہیں، دوسری قسم وہ ہیں جنہوں نے دنیا کو طالبان دنیا کیلئے چھوڑ دیا ہے۔ اور آخرت کو مومنوں پر ایثار کردیا ہے، اور حق تعالیٰ کے مشاہدے میں مستغرق رہتے ہیں، انہیں کیلئے قطبیت کے مراتب ہیں، دنیا کا حل وعقد، انہیں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے، وہی دعوت الی اللہ کے اہل ہوتے ہیں، جب دین کے معاملے میں کوئی خرابی دیکھتے ہیں

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

،اسے دور کرنا چاہتے ہیں،البتہ قطب الاقطاب تمام عالم میں ایک شخص ہوتا ہے،چند ہم معنیٰ الفاظ اس متبرک نام کیلئے بولے جاتے ہیں،غوث الاعظم ،قطب الدائرہ ،انسان کامل،قطب الاقطاب،قطب الاعلیٰ،مظہر کلی،جہانگیر،کوئی امت چار سوابدالوں سے خالی نہیں رہتی،ان چار سو میں سے چالیس اوتاد ہیں،ان چالیس میں سے چار نقباء ہیں،ان چار میں سے ایک قطب ہے،اور کافروں کی سلامتی مومنوں کی برکت سے ۔اوتاد کی سلامتی نقباء کی برکت سے ،اور نقباء کی سلامتی قطب کی برکت سے (لطائف اشرفی مخلصا،ص ۵۶تا۸۴) حضور مخدوم سمناں کے اس گلریز ،فکر خیز ،اور معلومات انگیز بیان سے اتنا ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ قطب نائب غوث اعظم ہوتا ہے،اس کے فرائض واختیارات اتنے وسیع اور وقیع ہوتے ہیں کہ زمانے کی طناب اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ملکی وملی انتظام کی باگ ڈور ان کے قبضے میں رہتی ہے،حالات میں انقلاب ان کے اشارے اور ایماء سے آتا ہے،بحیثیت قطب اعلحضرت جب نائب غوث اعظم ہیں تو ان تصرفات واختیارات کی روشنی میں ان کی حیات اور کارناموں کو دیکھنا اور سمجھنا چاہیئے ،ان کی زندگی کا مطالعہ صرف مولانا یا امام کی حیثیت سے نہیں بلکہ صوفیٔ باصفا،نائب غوث الوریٰ کی حیثیت سے ہونا چاہئے ،تبھی جا کر ان کی قرار واقعی عظمت کا اعتراف ہوگا ،ان کے اختیارات وتصرفات سے کماحقہٗ آگہی مل سکے گی ۔

اسی طریقے سے ان کی ذات کا عرفان ،اور صفات سے انصاف ہو پائے گا۔

یہاں پر یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ،جو جس کا نائب ونمائندہ ہوتا ہے،وہ ہر لمحہ اس کی فکر ونظر میں ہوتا ہے،نائب کی تعریف سے اصل کو خوشی ہوتی ہے،اور اس کی دل

آزاری سے اصل کو بیزاری ،تو ظاہر ہے بحیثیت نائب غوث اعظم اعلحضرت کی تعریف وتحسین سے غوث اعظم یقیناً خوش ہوں گے اور ان کی توہین یا تضحیک سے بلاشبہ غوث اعظم ناراض ۔اب اگر کسی کو یہ دیکھنا ہو کہ غوث اعظم اس سے خوش ہیں یا ناراض،تو وہ اپنا محاسبہ کرے کہ اعلیٰ حضرت اس سے راضی ہیں یا ناراض ۔راضی کرنے کے جو اسباب ہیں ان کو نظر میں رکھے ،عمل میں لائے ۔اور ناراض کرنے کے وجوہات ہیں ان سے حتی المقدور ،دور رہے ،گریز کرے ۔ورنہ ؎ خدا پناہ میں رکھے جلال مومن سے ۔نگاہ بدلی کہ عالم میں انقلاب ہوا۔

اسی لئے اعلیٰ حضرت کے ہمعصر تمام علماء ومشائخ اپنی آسمان چھوتی عزت وشہرت کے باوصف اعلحضرت کے مداح ہی نظر آتے ہیں ،شمع رضا کے گرد ہالہ وپروانہ بننے ہی میں فخر محسوس کرتے ہیں ،مبلغ اسلام حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی فرماتے ہیں ؎

ہیں سیارہ صفت گردش کناں اہل طریقت یاں
وہ قطب وقت اے سرفیل جمع اولیاء تم ہو

امام احمد رضا نے فنافی الغوث ہو کر خود کو فنافی الرسول کرلیا تھا،اکثر مشائخ کی رائے ہے کہ جب کوئی خوش نصیب عاشق فنافی الرسول کا عظیم منصب پالیتا ہے،تو سرکار دوعالم ﷺ کا جلوہ ہر وقت اس کے سامنے رہتا ہے،اسی لئے اعلحضرت ہر وقت سرشار ذکر مصطفے رہتے ،اپنی ہر ادا کو ادائے رسول کے مطابق ڈھالنے میں لگے رہتے ،اطاعت رسول کی انہوں نے ایسی مثال قائم کی ہے جو رہتی دنیا تک باعث

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

صدر شک وتقلید رہے گی ۔شریعت کی پابندی نے طریقت کے دورا کر دیئے ، طریقت نے حقیقت کی منزل آئینہ کردی ۔حقیقت نے جلوہ محبوب میں گم کر کے معرفت کی لذت سے آشنا کردیا۔کہتے ہیں کہ ولی جس راہ سے گذر جاتا ہے اس راہ کے درودیوار ذاکر ہوجاتے ہیں،وہ صوفی باصفاامام احمد رضا ،جس نے اپنا انوکھا بچپن،نرالی جوانی،اورانمول بڑھاپا جس شہر میں گذارا ہو،اورتقریبا ۶۵ سال جس سر زمین کواپنی فکرنوبہاراورعمل شاہکار سے سینچا ہو، جہاں ملک العلماء جیسے نابغہ فاضل ،صدرالشریعہ جیسے عظیم فقیہ اور صدرالافاضل جیسے عہد ساز مدبرّ ڈھلتے ہوں ، جہاں علماء،عرفاء،اورصوفیا کی بارات پر بارات اترتی ہو۔اہل دل کے جمگھٹے لگے رہتے ہوں ،اس شہرمحبت کی عظمت کو سمجھنے کیلئے اتنا کافی ہے کہ وہ عالم اسلام کے سنی مسلمانوں کا مرکزعقیدت ہے، کسی بھی عوامی جلسے میں آپ پکارتے (ہمارامرکز) ہر چہار جانب سے یہی جواب آئے گا(بریلی شریف) بریلی کے جن ذروں کوامام احمد رضانے اپنے تلوا کا جلوہ بخش دیا تھا وہ آج بھی شمس وقمر سے آنکھ مچولی کررہے ہیں:

جن ذروں نے بوسے تیرے قدموں کے لئے تھے
ان ذروں کو سورج کی کرن چوم رہی ہے

چند تاثرات

☆ فضیلۃ الشیخ کریم اللہ،مہاجر مدنی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

”میں سالہا سال سے مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہوں ، ہندوستان سے ہزار ہاانسان آتے ہیں،جن میں علماء،صلحاء،اتقیاء بھی ہوتے ہیں ،لیکن میری آنکھوں نے یہی دیکھا کہ وہ شہرمبارک کی گلیوں میں پھرتے رہتے ہیں ،اورکوئی توجہ دینے والانہیں ہوتا ،لیکن آپ (امام احمد رضا) کے اعجاز کا یہ حال ہے کہ عوام تو عوام، بڑے بڑےعلماء،اورارباب علم وفن،اصحاب عزت وعظمت،آپ کی طرف چلےآرہے ہیں،اورآپ کے اکرام وتعظیم میں،سبقت کرتے ہیں،یہ اللہ کافضل ہے جسے چاہے عطافرمائے،،(الاجازۃ المتینہ ص،۷)

☆ علامہ سید شاہ محمد قائم رضوی،قتیل داناپوری۔پٹنہ، بہار۔

حضرت امام احمد رضا خاں صاحب قدس اللہ سرہ ،انوار طریقت سے بھی بھرپور ہیں،اورآج تک ان کا فیض جاری ہے، بلکہ حق تو یہ ہے کہ آپ مجمع البحرین ہیں،یعنی شریعت وطریقت کے سنگم ہیں......آپ کے مریدین ومتوسلین کی تعداد،اللہ ہی جانے،آپ کی تصانیف نظم ونثر سے صاف ہے کہ آپ مقام (فنافی الرسول) میں ہیں“ (انواررضا،ص ۳۸۹)

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

☆ حضرت علامہ محمد جلال الدین، کھاریاں، گجرات۔

''امام احمد رضا سلسلۂ قادریہ کی ایک اہم کڑی ہیں، آپ کے خلفاء ومتوسلین نے نہ صرف برصغیر میں، بلکہ اقصائے عالم میں علم وعرفاں کی دنیا آباد کی، مسلم دنیا کی اکثر آبادی میں آپ کے انوار پھیلے ہیں .....تصوف کی زبان اور اصطلاح میں آپ کے منصب کو اجاگر کیا جائے، تاکہ عامتہ الناس پر بھی واضح ہو کہ اس دور میں، غوث اعظم کے نائب اعظم، امام احمد رضا قادری ہیں۔

(تذکرہ م، مشائخ قادریہ رضویہ، ص ۳۵)

☆ ڈاکٹر محی الدین الوانی، جامعہ ازہر مصر (جو مسلکاً اہلحدیث ہیں)

مولانا احمد رضا بچپن ہی سے دنیاوی آرائشوں کی طرف ملتفت نہ تھے، لوگوں سے ملاقات ومعاملات میں حلم، تواضع، بلند اخلاقی سے پیش آتے .....آپ کی علمی سرگرمیوں میں تصوف، اتقاء، پرہیز گاری کے بہترین نمونے ہیں جس کی بنا پر آپ بہت جلد سارے برصغیر میں مشہور ہو گئے، اور آپ کے پاس نور ومعرفت کے پروانے ہر طرف سے آنے لگے،، (انوار رضا، ص ۶۷۸،)

☆ ڈاکٹر اعجاز مدنی، برہانی کالج، ممبئی۔

اعلیٰ حضرت کی تعلیمات اور تصوف پر ان کے فکر انگیز ملفوظات، بہت گہرے مطالعہ ومشاہدہ کی دین ہیں، اس احتیاط

وتوازن کے ساتھ آپ نے کلمات حکمت فرمائے ہیں کہ ذرہ برابر، تنقید کی گنجائش نہیں، اگر سالک صدق دل سے آپ کی راہ پر سفر اختیار کرے اور بزرگوں سے سچی نسبت پیدا کرے۔ تو اس کی منزل، اس دور ابتداء وآزمائش مین بھی کامیاب سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔

(تذکر مشائخ قادریہ رضویہ، ص ۴۴۶)

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

امام احمد کا رضا

کا

علم و عمل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ ﷺ

اللہ جل شانہ نے ہر دور میں اسلام اور عظمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی ہے۔ اس کام کے لئے کبھی مجاہدین پیدا فرمائے تو کبھی مصلحین، کبھی اولیاً اور علماً پیدا فرمائے۔ تاریخِ اسلام کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ کبھی کربلا کے شہیدوں نے اپنے خون سے شمعِ اسلام کی ضیا بڑھائی اور ناموسِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آنچ نہ آنے دیا تو کبھی حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی فکر و فلسفے سے اس کام کو انجام دیا تو کبھی حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی ذات کے فیضان کا دریا بہا کر شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ فرمادی اور لوگوں کے دِلوں میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمانِ کامل کو تازہ فرمایا۔ کبھی صلیبی جنگوں میں اسلام کے علَم کو اونچا رکھا تو کبھی اولیاً اور علماً نے اس کام کو اپنے اپنے طور پر اپنے اپنے انداز میں انجام دیا۔ بہر حال یہ سب اس لئے ہوا اور ہوتا رہے گا کہ اللہ جل شانہ نے اسلام کی اور عظمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔

چودھویں صدی ہجری کی ابتدا میں اسلام پر حملے ہونے لگے اور عظمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھٹانے کی کوششیں کی جانے لگیں۔ عالَمِ اسلام میں عجیب و غریب فتنے پھوٹ پڑے تھے جس کا فائدہ اسلام دشمن عناصر نے خوب اُٹھایا۔

عیسائی طبقے نے باقاعدہ طور پر ہندوستان میں اپنے قدم جمانے شروع کئے

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

تھے۔ بنگال، مدراس اور بمبئی ان کے قبضے میں آ چکے تھے اور دہلی پر اُن کی نظریں تھیں۔ وہ کمزور کا عارضی ساتھ دے کر طاقتور کو مغلوب کر لیا کرتے تھے اور آپس میں پھوٹ ڈال کر ہندوستان کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ایک دوسرے سے لڑا دیا کرتے تھے اور پھر ان دونوں پر آہستہ آہستہ مسلط ہو جاتے تھے۔ دہلی اور اودھ کی حکومتیں اُمرا کی سازشوں کا شکار ہوئیں تو انگریزوں کو ہندوستان میں قیامِ حکومت کا راستہ ہموار نظر آنے لگا۔ چنانچہ ۱۸۵۶ء میں اودھ حکومت کا تختہ اُلٹ کر لکھنؤ اور فیض آباد کے سارے علاقے پر انگریز قابض ہو گئے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ سے دہلی کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اب سارے ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت کا پرچم لہرانے لگا۔ مسلمان حاکم سے محکوم ہو گئے۔ ان کا محکوم ہونا ہی تھا کہ ان کے علوم وفنون، تہذیب وثقافت کو بھی تیزی سے زوال آنا شروع ہوا۔ اب ایسے میں مسلمانوں کے پاس جو اہم شئے رہ گئی تھی وہ ان کا مذہب اور عقائد تھے جن کو وہ سینے سے لگائے تہذیبی اور ثقافتی زوال کو روکنے کی کوششیں کر رہے تھے۔

انگریز قوم نے جب ہندوستان پر سیاسی فتح حاصل کر لی تو اس سے اس قوم کا مقصد پورا نہیں ہوا۔ انگریزوں نے چونکہ حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی اس لئے انہیں اب بھی مسلمانوں سے خطرہ لاحق تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اس قوم سے حکومت چھین لینا ہی کافی نہیں کیونکہ جب تک ان کے پاس ان کا مذہب اور ان کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت اور اور ان کے رسول کی صحیح تعلیمات کا اثاثہ رہے گا یہ پھر اُبھر سکتے ہیں اور ان کے (انگریزوں کے) زوال کا راستہ ہموار کر سکتے ہیں۔ چنانچہ

ایک ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ جہاں جہاں عیسائی حکمران تھے وہاں وہاں انہوں نے اسلام کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ کہیں عیسائی خود مسلمانوں کے ساتھ مذہبی مناظروں کے لئے تیار ہو گئے تھے تو کہیں مسلمان علماً کو دولت اور عُہدوں کا لالچ دے کر خرید لیا تھا۔ اُن سے اپنے نظریات کے مطابق کام لیا کرتے تھے۔ عیسائیت کی اِس میٹھی چھری سے گھائل علماً نے نہ صرف بھولے بھالے مسلمانوں کو دین کے راستے سے بھٹکانا شروع کیا بلکہ ان کو حکمران طبقے کا وفادار بنانے اور انگریزی تہذیب سے قریب کرنے کی کوششیں کیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو گھٹا کر پیش کیا جانے لگا۔ یہ سازش حکمران طبقے کے لئے دو طرح سے مفید تھی، ایک تو اس سازش سے مسلمان حکمران طبقے کے وفادار ہو جائیں گے تو دوسری طرف ان سے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی محبت جاتی رہے گی۔ مسلمان اس طرح کھوکھلا ہو جائے گا کہ اس میں انگریز حکومت اور عیسائیت کے خلاف علَمِ بغاوت بلند کرنے کی جرأت باقی نہ رہے گی۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کے بعد حکمران طبقے کی عیسائی مشنریوں نے اِن کام کو تیزی کے ساتھ انجام دینا شروع کر دیا تھا۔

دوسری طرف نجد سے اُٹھا ہوا وہابی فتنہ اسماعیل کے ذریعہ ہندوستان پہنچ چکا تھا۔ تقویۃ الایمان اور نجد کی وہابی تحریک نے ہندوستانی مسلمانوں کو فرقوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا تھا۔ نجد سے اُٹھا ہوا فتنہ ایک شیطانی ہیولا تھا جو سیدھے سادے مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لیتا چلا جا رہا تھا۔ پنجاب میں وہابی سکھوں سے جہاد کے نام پر

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

ہندوستانیوں میں پھوٹ ڈالنے اور نفاق پیدا کرنے کی انگریز حکومت کی سازش کو کامیاب بنا رہے تھے۔ سیدھے سادے پنجابی پٹھان جہاد کے نام پر اُکسائے جا رہے تھے اور وہابی اپنے شیطانی مقاصد کی کامیابی کے لئے ان سے سپاہیوں کا کام لے رہے تھے تو دوسری طرف عام مسلمانوں کے عقائد بگاڑنے کا سامان مہیا کیا جا رہا تھا۔ اس اُمڈتے ہوئے شیطانی ہیولے کو فوری روکنے کی ضرورت تھی۔ مسلکِ اہلِ سُنّت کے بڑے بڑے علماً اس فتنے کے خلاف اپنی مقدور بھر کوششیں کر رہے تھے مگر ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہ اُن کے بس کی بات نہیں ہے۔

اس دور کا ایک نیا فتنہ غلام احمد قادیانی کا نیا مذہب تھا جس کی نہ کوئی اصل تھی اور نہ بنیاد۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ نیا مذہب بھی اسلام دشمن صیہونی قوتوں کے بل بوتے پر نمودار ہوا تھا۔ اس مذہب کو تو مرزا غلام احمد قادیانی کی موت کے ساتھ ہی ختم ہو جانا چاہئے تھا مگر چونکہ اسلام دشمن صیہونی قوتیں مسلمانوں کو ہمیشہ کمزور دیکھنا چاہتی تھیں لہٰذا انہوں نے مسلمانوں کو اسلام کے نام پر ہی فرقوں میں تقسیم کر دیا اور انہیں باقی رکھ کر مسلمانوں کی قوت توڑ دی۔

اس پُر فتن اور پُر انتشار دور میں مغرب سے نئے نئے علوم اور نئی نئی درآمدات کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ میں دھوکہ کھائے ہوئے مسلمان ان نئی درآمدات اور نئے علوم سے خائف تھے۔ وہ اس تذبذب میں مبتلا تھے کہ آیا مغرب کے یہ علوم وفنون اور نئی درآمدات اسلام کی رُو سے مسلمانوں کے لئے جائز بھی ہیں یا نہیں؟ وہ اس سلسلے میں اپنے علماً پر نظریں جمائے ہوئے تھے کہ ایسے

ماحول میں ان کی رہبری اور رہنمائی کا کام ان ہی سے ممکن تھا۔

اگر مجموعی طور پر اس دور کی انتشاری کیفیت کا جائزہ لیا جائے تو جو اجزاً سامنے آتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۱ عیسائی حکمرانوں اور مشنریوں کی اسلام دشمنی

۲ وہابی فتنہ

۳ اہانتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رجحان

۴ صحابہ کرام اور اولیاً کرام کی اہانت اور مقلدین کے خلاف صف آرائی

۵ قادیانی فتنہ

۶ نیچری طبقہ

۷ بدعات ومنکرات کی گرم بازاری

۸ مغربی درآمدات اور عوام کا تذبذب

۹ تحریکِ خلافت

۱۰ آریہ سماج تحریک

یہ تھا اس دور کا مختصر سا خاکہ جس میں ایک طرف دہریے، فلاسفرز، آریہ سماجی، یہود و نصاریٰ، ہنود اور مجوس تھے تو دوسری طرف قادیانی، وہابی، دیوبندی، ندوی، رافضی، خارجی، تفضیلی اور صلح کلی تھے۔ مولانا بدرالدین قادری رضوی لکھتے ہیں:

"مذہب کے بھیڑیے مصطفیٰ پیارے صلی اللہ علیہ وسلم کی بھولی بھالی بھیڑوں پر مسلسل حملے کئے جا رہے تھے تو ان حالات میں تقدّسِ

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

اسلام کو ایک ایسے مجدّدِ اعظم کی ضرورت تھی۔

۱۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث بن کر اپنی نورانی کرنوں سے بدمذہبوں کی کالی گھٹاؤں کو تتر بتر کر دے۔

۲۔ جو جلالِ موسیٰ علیہ التحیۃ والثنا کا پَرتو بن کر اللہ تعالیٰ کی رِدائے عظمت پر جھوٹ کا دھبہ لگانے والوں کو جلا کر راکھ کر دے۔

۳۔ جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والوں پر قہرِ الٰہی کی بجلی بن کر گرے۔

۴۔ جو حضرتِ صدّیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نائب بن کر اپنے قلمی تلوار سے تھانوی اور پنجابی مسیلمہ کذّاب کو موت کے گھاٹ اُتار دے۔

۵۔ جو امامِ اعظم ابوحنیفہ کا آئینہ بن کر اسلامی مسائل اور شرعی احکام کے چہروں سے گرد و غبار صاف کر کے ان کو اپنی اصلی شکل میں پیش کرے۔

۶۔ جو حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، شہنشاہِ بغداد کا مظہر بن کر الحاد کی گھٹاٹوپ تاریکیوں کو چیر دے۔

۷۔ جو اپنے زمانے کا امام ابومنصور، تریدی اور امام ابوالحسن اشعری بن کر ڈارون اور نیوٹن کے فلسفے کا شیشہ چور چور کر دے اور نیچریت کی کھال ادھیڑ کر رکھ دے۔

۸۔ جو آفتابِ رُشد و ہدایت بن کر وہابیت کی تیز و تُند آندھیوں کا مقابلہ کرے۔

۱۰ جو محمدی کچھار کا شیر بن کر مذہبی بھیڑیوں کا قلع قمع کر دے۔

۱۱ جو اپنے تجدیدی کاناموں سے اُمّتِ مرحومہ کا دین تازہ اور حضورِ اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم کی مُردہ سُنّتوں کو زندہ کر دے۔"

(سوانحِ اعلیٰ حضرت۔ مولانا بدرالدین قادری رضوی۔ ص: ۹۱، ۹۲)

اللہ جل شانہ نے اسلام کی حفاظت اور حمایت کے لئے ایک ایسا جری مصلح، ولی، صوفی اور ان سب سے بڑھ کر ایسے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیدا فرمایا جس نے اپنی قوتِ عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی جُرأت و استقامت سے، علم و عمل سے اور اپنے فضل و کمال سے دینِ متین کی حفاظت و حمایت فرمائی اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا جلوہ اپنے عمل سے عام کیا کہ اس کی بریلی شریف سے نکلی ہوئی کرنیں عالمِ اسلام کو مُنوّر و تاباں بنا گئیں۔ اس ذاتِ بابرکات کا اسمِ گرامی عبد المصطفیٰ محمد احمد رضا خاں قدس سرّہ ہے۔

اعلیٰ حضرت کی ولادت اس دور کے ماحول اور حالات کے پیشِ نظر منشائے الٰہی تھی۔ جیسا کہ مذکور ہوا اس دور کی اصلاح اور دین کی حفاظت و حمایت کے لئے ایک جری مصلح کی ضرورت تھی تو اللہ جل شانہ نے آپ کو عزم و استقامت کا پیکر بنا کر پٹھان خاندان میں پیدا فرمایا۔ اگر آپ سادات سے ہوتے تو دیگر اولیأ اللہ کی طرح (جو ہندوستان آئے اور جو اُس وقت موجود تھے، کی طرح) گوشہ نشینی اختیار کر لیتے یا پھر اپنی خانقاہ سے طریقت و معرفت کا درس دیتے۔ ایسی خانقاہیں اس دور میں بھی تھیں اور یہ کام انجام دے رہی تھیں لیکن مذہبِ اسلام اور عظمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹانے کی کوششیں جس قدر بڑے پیمانے پر شروع ہو چکی تھیں ان کا روکنا اور ان کا مُنہ توڑ جواب دینا ان خانقاہوں سے ممکن نہ تھا لہٰذا ایک ایسی پُر جلال شخصیت کی

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

ضرورت تھی جو اپنے علم و عمل سے شدت کے ساتھ دشمنانِ اسلام اور مخالفینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہو کہ وہ اُن حملوں کی تاب نہ لاسکیں اور ان کے جھوٹ، بد نیتی اور کفر کا پردہ چاک ہو جائے۔ میں پٹھان خاندان میں اعلیٰ حضرت کی ولادت کا سبب منشائے الٰہی کا یہی راز سمجھتا ہوں۔

اعلیٰ حضرت کی پیشانی میں بچپن ہی سے ایک نور تھا جسے اُن کے مادر زاد ولی ہونے کی علامت سمجھا جاسکتا ہے۔ اعجاز مدنی صاحب اپنے مضمون ''تعلیماتِ تصوف'' میں لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت بچپن ہی سے مادر زاد ولی تھے۔ اس لئے تعلیم و تعلم میں فقہ و فتویٰ نویسی میں، علمِ تصوف اور سلوک و مجاہدے میں، مناظرہ و مکاشفہ میں، دلائل و گفتگو میں، تقریر و تحریر میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ امام احمد رضا خاں رحمتہ اللہ علیہ اُن گنے چنے صاحبِ علم و فضل میں تھے جن پر پروردگارِ عالم نے اپنے رسولِ محترم و مکرم کے صدقے میں آپ پر اپنی عنایات و مہربانی، عزت و منعفت تمام کی تھی۔''

(المیزان۔ امام احمد رضا نمبر، مضمون۔ تعلیماتِ تصوف۔ مصنف اعجاز مدنی صاحب۔ ص:۲۱۷)

بچپن ہی سے اعلیٰ حضرت کی ذہانت و فطانت بے مثال تھی۔ بچپن ہی میں آپ تقویٰ و طہارت، اتباعِ سنت، پاکیزہ خصلت اور حسن سیرت کے اوصاف سے مزین تھے۔ صرف ساڑھے تین سال کی عمر میں بازاری پیشہ ور عورتوں کو دیکھ کر

آنکھوں پر دامن رکھ لینا۔ بازاری عورت کے تمسخر بھرے کلمات پر پُر مغز جواب دینا کہ جب نظر بہکتی ہے تب دل بہکتا ہے اور جب دل بہکتا ہے تو ستر بہکتا ہے یہ آپ کے حُسنِ سیرت کی اعلیٰ مثال تو ہے ہی مستقبل میں آپ کے باصفا حالات کے غماز و امین بھی ہیں۔ اسی طرح بچپن کے کئی ایک واقعات اس کا ثبوت ہیں کہ آپ کی رہبری و رہنمائی من جانب اللہ ہوا کرتی تھی۔ مثلاً ''بسم اللہ خوانی'' کی رسم کے موقع پر جب آپ کے استادِ محترم نے حسب دستور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد حروفِ تہجی پڑھانا شروع کیا اور جب ''لام الف'' (لا) کی نوبت آئی تو عرض کیا کہ دونوں حروف میں پہلے پڑھ چکا ہوں، دوبارہ کیوں پڑھوں؟ تو اس پر آپ کے جدِ امجد حضرت مولانا شاہ رضا علی خاں صاحب قدس سرہ العزیز نے لام الف کو مرکب لانے کی وجہ بیان فرمائی۔ اس پر مصنفِ ''تجلیاتِ امام احمد رضا'' رقمطراز ہیں:

''سچ پوچھو تو باتوں باتوں میں سب کچھ بتا دیا اور اسرار و حقائق کے رموز و اشارات کے دریا و ادراک کی صلاحیت و قابلیت اُسی وقت پیدا فرمادی جس کا اثر سب نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ شریعت میں وہ اگر سیّدنا امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدم بہ قدم ہیں تو طریقت میں حضورِ پُر نور سرکار غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نائب اکرم ہیں۔''

(تجلیاتِ امام احمد رضا۔ محمد امانت رسول قادری۔ ص:۲۳)

قرآنِ مجید کے ناظرہ کے دوران کاتب سے اعراب کی غلطی کے باوجود زبانِ مبارک

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

سے صحیح تلفظ کا ادا ہونا، مولوی صاحب کا ایک بچے کے سلام کے جواب میں جیتے رہو کہنا اور اعلیٰ حضرت کا اس پر یہ کہہ کر اعتراض کرنا کہ یہ تو سلام کا جواب نہیں ہوا، چھ سال کی عُمر میں ماہِ ربیع الاوّل میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر دو گھنٹے تک مسلسل علم وعرفان سے بھری تقریر کا فرمانا، یہ سارے واقعات ایسے ہیں جو اس عُمر کے بچوں میں دیکھے نہیں جاسکتے۔ چونکہ اللہ جل شانہ اپنے محبوب بندوں کی رہبری و رہنمائی ان کی زندگی کے ہر حصّے میں خود فرماتا ہے اس لئے ان کا کردار بچپن ہی سے بے داغ، صاف اور مصفّا ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے بچپن کا یہ بانکپن طوبیٰ کی بلندی، سدرہ کی ارجمندی کی نشاندہی کرتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے اساتذہ کی فہرست بہت مختصر ہے۔ والدِ بزرگوار کے علاوہ دو چار اساتذہ ہی کے نام ملتے ہیں جن سے آپ نے دینی علوم کی تعلیم حاصل کی۔ سچ تو یہ ہے کہ ان اساتذہ سے آپ نے اکتسابِ فیض بھی کیا ہے اور ان کو اپنے حافظے اور ذہانت سے متحیر بھی کیا ہے۔ خود اعلیٰ حضرت کے والدِ محترم آپ کی خداداد صلاحیتوں کے قائل تھے۔ اعلیٰ حضرت اپنے زمانۂ طالب علمی میں ایک دن اُصولِ فقہ کی مشہور کتاب ''مسلم الثّبوت'' کا مطالعہ کر رہے تھے کہ آپ کے والدِ ماجد کا تحریر کیا ہوا اعتراض و جواب نظر سے گذرا۔ آپ نے کتابِ مذکورہ کے حاشیے پر ایک مضمون تحریر فرمایا جس میں متن کی ایسی تحقیق فرمائی کہ سرے سے اعتراض وارد ہی نہ تھا۔ پھر جب پڑھنے کے لئے والدِ ماجد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت مولانا کی نگاہ اعلیٰ حضرت کے تحریر کردہ حاشیے پر پڑی۔ یہ دیکھ کر اُن کو اتنی مسرت ہوئی کہ اُٹھ کر سینے

سے لگالیا اور فرمایا:

''احمد رضا تم مجھ سے پڑھتے نہیں بلکہ مجھ کو پڑھاتے ہو''

(سوانحِ اعلیٰ حضرت۔ مولانا بدرالدین قادری رضوی۔ ص:۱۱۴)

یہ سب کچھ دراصل اعلیٰ حضرت کی تعلیم و تدریس کے دوران اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے شاملِ حال ہونے کا نتیجہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینے کو گنجینۂ علوم بنا دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کئی علوم اگرچہ آپ نے کسی استاد سے نہیں پڑھے باوجود اس کے ان علوم میں آپ دست گاہ رکھتے تھے کہ اہلِ علم و کمال آپ کی اس مہارت پر حیران رہ جاتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ دین کے مجدّد کے لئے قرآن و حدیث کے علوم میں جس قدر عبور کی ضرورت ہوتی ہے ایسا فیض رب قدیر اور کرم رسول کریم نے اس سے سوا ملکہ و درک کی قوت عطا فرمادی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اس قدر بلند پایہ عالم تھے کہ جلیل القدر علماء نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ گذشتہ دو صدی کے اندر کوئی ایسا عالم نظر نہیں آتا کہ جس کو اعلیٰ حضرت کا جواب کہہ سکیں۔

اعلیٰ حضرت نے علومِ ظاہری کی تکمیل صرف تیرہ سال دس مہینے اور پانچ دن میں فرمالی۔ اُسی روز سے قلم کی تلوار اُٹھائی اور فتویٰ نویسی سے جہاد کا آغاز فرمایا اور ساری عُمر ایک مجاہدِ اسلام، ایک مصلحِ قوم اور ایک بے لوث صوفیٔ باصفا کی طرح اپنے دَور کے حالات سے نبرد آزما رہے۔ علاّمہ ارشد القادری اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:

''تاریخ شاہد ہے کہ وقت کا بڑے سے بڑا فتنہ چاہے اپنے چہرے پر کتنا ہی خوبصورت نقاب ڈال کر سامنے آیا ہو اعلیٰ حضرت کے قلم

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

کی زد سے پاش پاش ہو کے رہ گیا۔ باطل کی آمیزش سے اسلام کو پاک کرنے کے لئے انہیں چومکھی لڑائی لڑنی پڑی۔ فتنہ چاہے اندر کا ہو یا باہر کا، اُن کے قلم کی تلوار یکساں طور پر سب کے خلاف نبرد آزما رہی۔ عملِ تطہیر کی اس مہم کے پیچھے نہ کسی حکومت کی سرپرستی تھی نہ کسی دولت مند کی منت پذیری۔ ایک بے قرار ناخدا کی طرح وسائل و اسباب کی پروا کئے بغیر اُمت کی کشتی کو طوفان کی زد سے بچانے کے لئے وہ تن تنہا بپھری ہوئی موجوں سے لڑتے رہے۔ ان کے پاس دو عظیم طاقتیں تھیں جن کے بل پر انہوں نے ہر مہم کو سر کیا۔ پہلی طاقت عشق و یقین کی تھی جس نے انہیں دنیا کی ہر مادّی قوت سے بے نیاز کر دیا تھا۔ خدائے قادر و قیّوم کی غیبی تائید و کارسازی اور رسولِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی چارہ گری پر انہیں اتنا اٹوٹ اعتماد تھا کہ کسی اور کی طرف دیکھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوا..... اور دوسری طاقت علم و فقاہت کے رسوخ، معلومات کے نتیجہ، فکر و نظر کی گہرائی، خدا داد قوتِ حافظہ و ادراک کی عجوبہ کاریوں اور قدسی روحانیت کی توانائیوں کی تھی جن کے جلوے ان کی تصنیفات کے ہزاروں صفحات پر بکھرے ہوئے ہیں۔''

(سوانح اعلیٰ حضرت۔ پیش لفظ: مولانا ارشد القادری۔ ص: ۱۶ تا ۱۷)

اعلیٰ حضرت کی ہر تصنیف جامع، بے لاگ اور علمی و ادبی محاسن سے آراستہ و پیراستہ ہے۔ آپ کا کیا ہوا قرآن کا ترجمہ ''کنزالایمان'' آج تک ہوئے قرآن کے اردو تراجم میں اپنی مثال آپ ہے جس میں الفاظ کا صحیح انتخاب، لفظ و محاورے کا حسین ترین امتزاج، انبیاء علیہم السّلام کے ادب و احترام اور عزّت و عظمت کا بطورِ خاص ملحوظ رکھنا، غرض اس ترجمے کے محاسن کے بیان کرنے کے لئے ایک کتاب درکار ہے۔ یہاں ایک اور بات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ جس زمانے میں اعلیٰ حضرت نے یہ ترجمہ اردو میں فرمایا اُس وقت اردو زبان خود اتنی ترقی یافتہ نہ تھی، باوجود اِس کے اِس ترجمے کے مطالعے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی آج کا مترجم ہے کہ جس نے یہ ترجمہ تحریر کیا ہے۔ مولانا حکیم خلیل الرحمٰن رضوی اپنے مضمون ''ترجمۂ قرآن کی خصوصیات'' میں لکھتے ہیں:

''امام احمد رضا نے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مقام پر بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور آپ کی جمیع تصانیف خاص کر ترجمۂ قرآن کا مطالعہ ہی بہ نظرِ غائر کافی ہے اور اِس دعوے کے ثبوت کے لئے سب سے بڑا شاہد ہے۔''

(المیزان۔ امام احمد رضا نمبر۔ مضمون ترجمۂ قرآن کی خصوصیات۔ مولانا حکیم خلیل الرحمٰن رضوی۔ ص: ۱۵۶)

حضرت صدر الافاضل نے افاداتِ صدر الافاضل میں اعلیٰ حضرت کی فقاہت سے متعلق فرمایا ہے:

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

''علمِ فقہ میں جو تبحّر و کمال ممدوح کو حاصل تھا اُس کو عرب و عجم، مشارق و مغارب کے علماً نے گردنیں جُھکا کر تسلیم کیا۔ تفصیل تو ان کے فتاویٰ دیکھنے پر موقوف ہے مگر اجمال کے ساتھ دو لفظوں میں یوں سمجھئے کہ موجودہ صدی میں دنیا بھر کا ایک مفتی تھا جس کی طرف تمام اسلام کے حوادث و وقائع متفقہ کے لئے رجوع کئے جاتے تھے۔ ایک قلم تھا جو دنیا بھر کے فقہ کے فیصلے دے رہا تھا۔ وہی تمام بد مذہبوں کے جواب میں لکھتا تھا۔ اہلِ باطل کی تصانیف کا بالغ ردّ بھی کرتا تھا اور زمانہ بھر کے سوالوں کے جواب بھی دیتا تھا۔ اعلیٰ حضرت کے مخالفین کو بھی تسلیم ہے کہ فقہ میں اُن کا نظیر آنکھوں نے نہیں دیکھا۔''

(المیزان، امام احمد رضا نمبر۔ مضمون: امام احمد رضا اور صدر الافاضل۔ از غلام معین الدین۔ ص: ۱۸۸)

اعلیٰ حضرت جب دوسری مرتبہ مکۂ معظمہ تشریف لے گئے تو مولانا مصطفیٰ، مولانا صالح کمال، مولانا سیّد اسمٰعیل اور مولانا سیّد خلیل صاحبان نے اعلیٰ حضرت کے سامنے وہابیہ کے پانچ سوال پیش کئے اور اس پر ایسا جواب چاہا جو مدلّل ہو کہ خبیث وہابیوں کے دانت کھٹے کئے جاسکیں۔ ان علماً کی فرمائش پر اعلیٰ حضرت نے رسالہ'' دولتِ مکّیہ'' تصنیف فرمایا۔ اس تعلق سے حضرت علّامہ بدر الدین احمد صاحب لکھتے ہیں:

''رسالہ دولتِ مکّیہ اعلیٰ حضرت کی زندہ جاوید کرامت ہے کہ آپ

نے بخار کی شدّت میں بغیر کسی کتاب کی مدد کے محض اپنی خدا داد یادداشت کے بل پر تفاسیر، احادیث اور کتبِ ائمہ کی اصل عبارتوں کے حوالہ جاتِ کبیرہ نقل فرماتے ہوئے صرف ساڑھے آٹھ گھنٹے کی قلیل مدّت میں تصنیف فرمایا جس میں حقائق و دقائق، معارف و عوارف کے بحرِ ذخّار لہریں مار رہے ہیں۔ اس کے دلائلِ قاطع و براہینِ ساطع باغیوں کی سرکوبی کے لئے تازہ دم لشکر ہیں۔ رسالۂ مذکورہ کا طرزِ تحریر گویا معانی، بدائع کی پاکیزہ لڑیوں میں عربی ادب کے خوشنما موتی پروئے ہیں۔''

(سوانحِ اعلیٰ حضرت۔ مولانا بدر الدین قادری رضوی۔ ص: ۳۰۵)

اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام متعیّن کرتے ہوئے مولانا غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

''طبقاتِ فقہا'' کے اعتبار سے اعلیٰ حضرت کا موازنہ کریں تو پتہ چلتا ہے قواعدِ شرعیہ وضع کرنے کی وجہ سے آپ میں طبقۂ اولیٰ یعنی ائمۂ اربعہ کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔ غیر منصوص مسائل کو قواعدِ امام سے استخراج کرنے کی وجہ سے خصاف و طحاوی کی طرح طبقۂ ثالثہ میں قدمِ راسخ رکھتے ہیں۔ روایات میں ترجیح اور تفصیل کے سبب طبقۂ رابعہ اور خامسہ کے فقہا سے کسی طرح کم نہیں۔ فقہ کا کوئی باب ایسا نہیں جس میں فقہائے سابقین کی تصریحات سے زیادہ مسائل نہ متفرع کئے ہوں۔ جو اُمور متقدمین کی نظر سے

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

مخفی رہ گئے انہیں انتہائی لطافت کے ساتھ واضح کر کے دلائل و
براہین سے مزیّن کیا۔ معاصرین فقہا کی غلطیوں پر انہیں اَن
گِنت وجوہ سے متنبہ فرمایا۔ فقہی مباحث میں جو طبعی و ریاضی
کے مسائل آگئے تو ان پر ایسے اچھوتے انداز میں بحث کی ہے
کہ فارابی اور شیخ بھی دبے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انصاف اور
دیانت کی نظر سے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اعلیٰ حضرت
نے فقہ میں وہ مقام حاصل کیا جس کی نظیر صدیوں پیچھے نہیں ملتی۔''

(المیزان۔امام احمد رضا نمبر: مضمون۔امام احمد رضا کا فقہی مقام۔از مولانا غلام رسول سعیدی۔ص:۲۰۷)

اعلیٰ حضرت کے علمِ حدیث اور دیگر علوم پر عبور سے متعلق حضرت صدر الافاضل نے
اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

''علمِ حدیث میں بھی وہ (اعلیٰ حضرت) فرد تھے۔ اپنا ہمتا نہ رکھتے تھے۔
علمِ رجال میں ان کو وہ دست گاہ حاصل تھی کہ ایک راوی کے حالات
نوکِ زبان پر تھے اور معنی میں بحث، ناسخ و منسوخ کی تمیز، متعارفین کی
توفیق، یہ تو ان کا خاص حصّہ تھا۔''

(المیزان، امام احمد رضا نمبر: مضمون۔امام احمد رضا اور صدر الافاضل۔از غلام معین الدین
نعیمی۔ص:۱۸۸)

مولانا شبنم کمالی پوکھریروی نے اپنے مضمون ''امام احمد رضا اور روحانی
قدریں'' میں لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت کی تصانیفِ جلیلہ کے مطالعے کے بعد ہر صاحبِ علم

اس فیصلے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آپ اپنے عہد اور دور میں روحانیت
کے بلند مقام پر فائز تھے اور آپ کی روحانی خدمات روزِ روشن کی
طرح واضح و لائح ہیں۔ کاش ہم ان کے نقشِ قدم اور تعلیمات پر
عمل کر کے اپنی آخرت کو تاباں و فروزاں بنا سکیں۔''

(المیزان، امام احمد رضا نمبر۔ مضمون۔امام احمد رضا اور روحانی قدریں۔از۔مولانا شبنم کمالی
پوکھریروی۔ص:۲۳۱)

اعلیٰ حضرت نے نہ صرف نام نہاد علماً کے پیدا کردہ فتنوں کا سدِّ باب کیا بلکہ
ساتھ ساتھ ملحد، فاسق اور نام نہاد صوفیوں کے غیر شرعی اور غلط افعال کی بھی بیخ کنی کی
چنانچہ جھوٹی طریقت کی آڑ لے کر شریعتِ محمدیہ کو جب داغ دار کیا جانے لگا اور
شریعت و طریقت کو ایک دوسرے کا مخالف بتایا جانے لگا تو اعلیٰ حضرت نے مسلکِ
اہلِ سُنّت کے پیروں اور مُرشدوں کی اصلاح کے لئے تصوّف، اذکار اور بیعت و
خلافت کے احکام پر کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جب بناوٹی صوفیوں کے چودھری مسٹر
جٹا دھاری نے اپنی کتاب ''مرشد کو سجدۂ تعظیم'' میں اعلان کر دیا کہ اپنے پیر کو سجدۂ
تعظیمی کرنا جائز ہے تو اعلیٰ حضرت نے اپنی کتاب ''مقال العرفا'' میں قرآن و حدیث
و اقوالِ علمائے باطن سے ثابت کیا کہ

''شریعت اصل ہے اور طریقت اس کی فرع۔ شریعت منبع ہے اور
طریقت اس کا نکالا ہوا دریا۔ طریقت کی جدائی شریعت سے محال و
دشوار ہے۔ شریعت ہی پر طریقت کا دار و مدار ہے۔ شریعت ہی اصل

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

کا محک و معیار ہے۔شریعت ہی وہ راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے۔اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا اللہ تعالیٰ کی راہ سے دور پڑے گا۔طریقت اس راہِ روشن کا ٹکڑا ہے۔اس کا اس سے جُدا ہونا محال و ناسزا ہے۔طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعتِ مطہرہ ہی کے اتباع کا صدقہ ہے جس حقیقت کو شریعت ردّ فرمائے وہ حقیقت نہیں بے دینی اور زندقہ ہے۔"

(مقال العرفا۔ماخوذ از سوانح اعلیٰ حضرت۔از:مولانا بدرالدین قادری رضوی۔ص ۱۴۸)

ایک ولی کی فکر و نظر کا یہ فیض ہوتا ہے کہ اس سے دہریے، مذہب پرست، بے دین، دین دار اور مرتد راسخ العقیدہ ہو جاتے ہیں۔اعلیٰ حضرت کی فکر و نظر سے اور ان کی تقریروں اور تحریروں سے یہی ہوا کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں گمراہ اور بے دین افراد نے دین کی صحیح اور سچی راہ اختیار کر لی اور ان کا یہ فیض آج بھی جاری ہے اور انشاءَ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی اسی طرح جاری و ساری رہے گا۔علامہ بدرالدین قادری رضوی لکھتے ہیں:

"حضور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مقدّس زندگی کے کارناموں پر ایک نگاہ ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدائے پاک جل جلالہ نے اپنے اس خاص بندے کو اپنے دین کی حمایت ہی کے لئے پیدا فرمایا تھا۔دین کی تجدید و تبلیغ اسلام کی حمایت اور نصرت و سُنّیت کی حفاظت و صیانت ہی آپ کی زندگی تھی۔مقدّس دین کی تجدید واجب

کے فرضِ منصبی کو آپ نے جس خوبی کے ساتھ انجام دیا وہ آپ کی تصنیفاتِ مقدسہ سے ظاہر ہے۔آپ نے ساری زندگی اسلام و سُنّیت کے احیاً و تجدید پر قربان کردی اور کُفّار و مُرتدین، مشرکین و مبتدعین کی طرف سے ہونے والے تمام حملوں کا دنداں شکن جواب دیا۔یقینی طور پر آپ اللہ تعالیٰ کے اُن برگزیدہ بندوں میں ہیں جن کا فیض ان کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بھی خدا اور رسول جاری رکھتے ہیں (جل جلالہ، صلی اللہ علیہ وسلم)"۔

(سوانح اعلیٰ حضرت:از۔مولانا بدرالدین قادری رضوی۔ص:۱۴۱)

اعلیٰ حضرت کا علم کامل و اکمل تھا۔اس کے وہبی ہونے میں شُبہ نہیں کیا جاسکتا۔آپ کا سینہ علوم و معرفت کا ایک ایسا خزینہ تھا کہ جس میں ہر سوال کا صحیح صحیح جواب محفوظ تھا۔یہی وجہ تھی کہ ایک مفتی کی حیثیت سے آپ بیک وقت پانچ پانچ سو سوالوں کے جوابات تحریر فرمایا کرتے تھے جو اندرون اور بیرون مُلک سے آیا کرتے تھے۔آپ کے علم کی شہرت چار دانگ عالم تھی۔آپ کی اس حیرت انگیز علمی قابلیت اور حافظے اور ذہانت سے یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ یہ سب آپ کی روحانی قوّت کے سبب تھا۔ایسی قوّتیں ائمہ کرام اور اولیائے عظام ہی میں ہوسکتی ہیں۔

علامہ بدرالدین قادری رضوی رقمطراز ہیں:

"خدائے تعالیٰ کا وہ برگزیدہ بندہ جس کا نیزۂ قلم یادگارِ ذوالفقار، جس کا ایک حملہ صولتِ فاروقی کا پرتو، جس کے مبارک نام

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

کی ہیبت سے بے دینوں کے کلیجے شق ہوجاتے تھے، جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا سچا عاشق، سیّدنا غوثِ اعظم کا سچا نائب، سلطانِ ہند خواجہ غریب نواز کا سچا جانشین، اسلام کی بنیادوں کو مضبوط کرنے والا، کفر کے قلعوں کو ڈھا دینے والا جب اُس نے اپنی شمشیرِ خارا شگاف سے اللہ قدوس و سبوح کی چادرِ عظمت پر کذب و عیب کا دھبہ لگانے والوں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ پاک میں صریح گالی لکھنے والوں، مسئلہ ختمِ نبوت کا انکار کرنے والوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔"

(سوانح اعلیٰ حضرت، از۔ مولانا بدرالدین قادری رضوی۔ ص:۲۸۴)

جس طرح ایک صوفی باصفا کی علمی گیرائی و گہرائی کا اندازہ لگایا نہیں جا سکتا اسی طرح اس کا عمل بھی عام انسانوں کی فہم سے ماورا ہوتا ہے۔ وہ اگر چہ معاشرے میں سب کے ساتھ رہتا ہے، سب سے ملتا جلتا ہے، عام ضروریاتِ زندگی جس طرح ایک عام آدمی کی ہوتی ہیں اسی طرح اس کی بھی ہوتی ہیں، خانہ داری اور اسی طرح کی دوسری باتیں اس کے بھی روز و شب کا حصہ ہوتی ہیں، لیکن ایک عام آدمی اور صوفی میں سب سے بڑا فرق یہ ہوتا ہے کہ عام آدمی دنیا کے دلدل میں پھنسا ہوتا ہے اور پھنستا چلا جاتا ہے، برخلاف اس کے ایک صوفی اس موتی کی طرح ہوتا ہے جو پانی میں رہتے ہوئے بھی پانی سے سروکار نہیں رکھتا۔

صوفی چونکہ معاشرے میں سب کے ساتھ رہتا ہے اس لئے اس کی پہچان

مشکل ہوتی ہے۔ جس طرح ایک پیغمبر اپنے نبی یا رسول ہونے کا اعلان کرتا ہے اس کے برعکس صوفی اپنے ولی ہونے کا اظہار نہیں کرتا۔ وہ تو اپنی ولایت کو حتیٰ المقدور چھپانے اور پوشیدہ رکھنے کی سعی کرتا ہے، ایسے میں اس کی پہچان کا واحد راستہ یہ رہ جاتا ہے کہ اس کے عمل کا جائزہ لیا جائے۔ چونکہ صوفی کے ہر عمل سے انفرادیت جھلکتی ہے، اس کا ایمان و یقین، اس کی ریاضت و مجاہدہ، اس کا محاسبۂ نفس اور اخلاق و عادات اس قدر بلند اور عظیم ہوتے ہیں کہ ایک عام آدمی کی رسائی اس تک ممکن نہیں۔ جس طرح متبع شریعت باکمال صوفی کے علم کی وسعت کا اندازہ جس طرح نہیں لگایا جا سکتا اسی طرح اس کے عمل کی عظمت کا تعین بھی ممکن نہیں۔ تاہم علم و عمل ہی ایک صوفی کی شناخت کا پہلا ذریعہ قرار پاتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے علم کا جیسا کچھ جائزہ ہم نے لیا ہے اس سے آپ اعلیٰ حضرت کو علمی اصطلاحوں میں کچھ بھی کہہ لیجئے پھر بھی آپ کو تشفی نہ ہوگی کہ آپ نے اعلیٰ حضرت کو علمی اصطلاحوں میں جیسا کچھ قرار دیا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ اور نہایت بلند ہیں۔ اس خیال کا گذرنا ہی ان کے صوفی ہونے کی پہلی دلیل ہے کیونکہ اکتسابی علم میں بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ جو اکتسابی عالم ہوتا ہے اُس کے علم کی سرحدیں ہوتی ہیں، برخلاف اس کے وہبی علم انسانی عقل کو حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ وہبی علم کی روشنی چونکہ حُسنِ مطلق سے اکتساب کرتی ہے اس لئے یہ علم، علم کی کسی شاخ کو خاطر میں نہیں لاتا، اس لئے اس کو "علمِ لدنی" کہا جاتا ہے۔ اس کی بہترین مثال اعلیٰ حضرت کی زندگی کا وہ واقعہ ہے جب علی گڈھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیا

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

الدّین صاحب جو ریاضی کے پروفیسر تھے ایک مسئلے کے حل کے لئے جرمنی جانا چاہتے تھے۔ جب حضرت مولانا سیّد سلیمان اشرف صاحب، پروفیسر دینیات کے کہنے پر اعلیٰ حضرت سے ملے اور اپنا سوال پیش کیا تو اعلیٰ حضرت نے اس کا جواب فوری فرمادیا۔ جواب سُن کر وائس چانسلر صاحب کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس کے بعد آپ نے جرمنی جانے کا ارادہ ترک کردیا۔ اعلیٰ حضرت کی ذات کا فیضان یہ ہوا کہ وائس چانسلر صاحب نے داڑھی بھی رکھی اور صوم وصلوٰۃ کے پابند بھی ہوگئے۔

صوفی کا عمل بھی اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ اس کے عمل کا آپ جائزہ لیں اور اس سے متعلق جو بھی نظریہ آپ قائم کریں اور اس کی وضاحت جیسا آپ چاہیں کریں پھر بھی آپ یہی محسوس کریں گے کہ اس کے اعمال کا یہ بھی تو ایک پہلو ہوسکتا ہے۔ غرض صوفی کے تعلق سے اس قسم کے خیال کا پیدا ہونا اس کے صوفی دراصل ولی کامل ہونے کی دوسری دلیل ہے۔ آپ اعلیٰ حضرت کے ایک ایک عمل کا مطالعہ کریں اور اس کی تعبیر وتشریح کرنے کی سعی فرمائیں تو آپ بھی ایسا ہی محسوس کریں گے کہ آپ نے اعلیٰ حضرت کے جس عمل کی توضیح کی ہے اس کا دوسرا رُخ بھی تو ہوسکتا ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت کی زندگی کے چند گوشوں کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں تاکہ آپ بھی میرے ساتھ اس بات کے قائل ہوجائیں کہ ایسا عمل صرف ایک صوفی یا ولی کامل ہی سے ممکن ہے اور میں اور آپ اس معاملے میں اتنے غریب ہیں کہ اس عمل کا تصوّر بھی ہم سے ممکن نہیں۔

انسانی فطرت یہ ہے کہ وہ اپنی تعریف سے خوش ہوتا ہے۔ لیکن بات صرف

خوش ہونے تک نہیں رہتی بلکہ خود بینی، غرور اور تکبّر تک پہنچ جاتی ہے اور جب اس کی مذمّت کی جاتی ہے تو وہ ناخوش ہوتا ہے اور پھر یہی جذبہ غم وغصّے میں تبدیل ہوکر انتقام اور لڑائی جھگڑے کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن وہ افراد جو تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کی منزل سے گذر چکے ہوتے ہیں وہ ان ہر دو جذبوں سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ وہ نہ اپنی تعریف وتوصیف سے خوش ہوتے ہیں اور نہ تذلیل وتنقیص سے غم وغصّے کا اظہار کرتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں ان کے علم اور قلمی مجاہدے کے سبب حرمین طیّبین کے اکابر علمأ نے بے شمار تعریفی اور توصیفی خطوط لکھے مگر کبھی آپ کو اپنی مدح سن کر خود بینی کا احساس پیدا ہوا نہ کبھی غرور سے سر اونچا کیا۔ حضرت علاّمہ مولانا محمد حامد رضا صاحب عرف محمد شمس القمر قادری رضوی رقمطراز ہیں:

> ”ایک مُرید معتقد بارگاہ میں حاضر تھے۔ انہیں کے سامنے ڈاک میں ایک گالیوں سے بھرا خط ملا۔ وہ پڑھ کر غصّے میں سُرخ ہوگئے۔ یہ شخص میرے قریب کا رہنے والا ہے۔ اس پر مقدمہ دائر کر کے اُسے قرارِ واقعی سزا دلائی جائے۔ اعلیٰ حضرت نے بہت سارے تعریفی خطوط لاکر ان کے سامنے رکھ دیئے۔ وہ پڑھ کر پھولے نہ سمائے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا، پہلے ان تعریف کرنے والوں کو انعام واکرام سے مالا مال کیجئے پھر گالی دینے والے کو سزا دلایئے اور جب محبّ کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے تو دشمن کو نقصان پہنچانے کی فکر نہ کیجئے۔

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

(سُنّی آواز۔ ماہنامہ۔ اکتوبر ۱۹۹۷ء۔ مضمون: نورِ ایمان۔ از۔ شمس القمر قادری رضوی۔ ص: ۱۸۷)

علامہ بدر الدّین قادری رضوی نے اعلیٰ حضرت کی ذاتِ بابرکت سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرماتے ہوئے لکھا ہے:

"آپ کی ذات الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کی زندہ تصویر تھی۔ اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے والے کو اپنا عزیز سمجھتے اور اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن کو اپنا دشمن جانتے۔ اپنے مخالف سے کبھی کج خُلقی سے پیش نہ آئے۔ خوش اخلاقی کا یہ عالَم تھا کہ جس سے ایک بار کلام فرمایا اس کے دل کو گرویدہ بنا لیا۔ کبھی دشمن سے بھی سخت کلامی نہ فرمائی۔ ہمیشہ حِلم سے کام لیا۔ لیکن دین کے دشمن سے کبھی نرمی نہ برتی۔"

(سوانحِ اعلیٰ حضرت۔ از۔ علامہ بدرالدین قادری رضوی۔ ص: ۱۲۱)

جب ہند کے نام نہاد بے دین علماً نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ پاک میں گالی لکھ کر عظمتِ رسول کو گھٹانے کا ہولناک فتنہ کھڑا کیا تو آپ نے کوہِ استقامت بن کر اس فتنے کی بیخ کنی فرمائی۔ پھر تو ان دشمنانِ دین نے جل بھُن کر اپنے رسالوں، اخباروں اور کتابوں میں آپ پر گالیوں کی بوچھار کر دی اور طرح طرح کی آپ کو دھمکیاں دینے لگے مگر کچھارِ محمدی کے اس شیر نے ان کی گالیوں سے بے نیاز ہو کر اپنی ذات کو عظمتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کے لئے سپر ہی بنائے رکھا اور ان کی

دھمکیوں اور بندر بھپکیوں کی کوئی پرواہ نہ کی۔

آج کی سائنسی دنیا میں لوگ سائنسدانوں کی باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ اگر دنیا کا کوئی سائنس داں کسی ہولناک واقعہ کے رُونما ہونے کی پیش قیاسی کرے تو اس پر بھی یقین کر لیتے ہیں اور اس پیش قیاسی سے جو خوف و دہشت دلوں میں پیدا ہونے لگتی ہے وہ اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارے ایمان و یقین کی کمی کو ظاہر کرتی ہے۔ ۱۹۱۹ء میں ایک امریکی سائنس دان پروفیسر البرٹ نے یہ پیش قیاسی کی کہ عطارد، مریخ، زہرہ، مشتری، زحل اور نپچوں قبر آن میں ہوں گے اور سورج ان چھ ستاروں کے مقابل میں آجائے گا اور یہ ستارے سورج کو اپنی قوّت سے کھینچیں گے۔ ان ستاروں کی مقناطیسی لہریں سورج میں بڑے بھالے کی طرح سوراخ کر دیں گی۔ سورج کا یہ داغ ۱۷ ڈسمبر کو ظاہر ہوگا جس کو ہر خاص و عام اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے گا اور اس نے مزید یہ بھی کہا کہ سورج کا یہ داغ کرۂ ہوا میں تزلزل ڈالے گا۔ طوفان، بجلیاں، سخت بارش اور بڑے زلزلے ہوں گے۔ زمین کئی ہفتوں میں اپنی اصلی حالت پر آئے گی۔ اس پیش قیاسی سے لوگوں میں بے چینی پیدا ہوگئی۔

اعلیٰ حضرت پر اس پیش قیاسی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ آپ نے فرمایا غیب کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے پھر اس کی عطا سے اس کے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اللہ عزوجل اپنے خلق میں جو کچھ چاہے اور جب چاہے کرنے پر قادر ہے اور پھر اطمینان دلایا اور فرمایا کہ ویسا کچھ نہیں ہوگا جیسا کہ البرٹ نے کہا ہے اور مزید لوگوں کی تسلّی کے لئے اس بات کو علمی دلائل سے بھی ثابت کیا چنانچہ ۱۷ ڈسمبر ۱۹۱۹ء کو البرٹ کی پیش قیاسی

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

غلط ثابت ہوئی اور ایسا کچھ نہیں ہوا جیسا کہ اس نے کہا تھا۔ برخلاف اس کے اعلیٰ حضرت کے علم و یقین کی روشنی جو انہیں فضلِ ربانی اور فیضِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل تھی سچ ثابت ہوئی۔

علمِ نجوم پر بھی لوگوں کو بڑا اعتقاد و اعتماد ہوتا ہے چنانچہ نجومیوں کی باتوں کو وہ غور سے سُنتے اور ان کے کہنے کے مطابق عمل کرنے ہی میں بھلائی جانتے ہیں۔ ہر چند اسلام نے اس کی مخالفت کی ہے۔ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں کچھ نجومی حاضر ہوئے اور علمِ نجوم کا زائچہ بنا کر عرض کیا ''اس مہینے میں پانی نہیں ہے۔'' آئندہ مہینے میں بارش ہوگی۔'' اعلیٰ حضرت نے فرمایا اللہ کو سب پر قدرت ہے چاہے تو آج ہی بارش برسا دے۔ انہوں نے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ آپ ستاروں کی وضع نہیں دیکھتے۔ فرمایا، محترم ! میں سب کچھ دیکھ رہا ہوں اس کے ساتھ ستاروں کے واضع اور اس کی قدرت کو بھی دیکھ رہا ہوں، اس کے بعد تقریبِ فہم کے لئے فرمایا کہ سامنے گھڑی لگی ہوئی ہے بتاؤ کہ وقت کیا ہے؟ نجومیوں نے ایک زبان ہوکر کہا سوا گیارہ بجے ہیں۔ اعلیٰ حضرت اُٹھے اور بڑی سوئی گھمادی، فوراً ٹن ٹن بارہ بجنے لگے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ گھڑی کی سوئی گھمانا میری قدرت میں ہے اس لئے سوا گیارہ سے بارہ ہوگئے۔ اسی طرح اللہ رب العزت قادرِ مطلق ہے کہ جس ستارے کو چاہے جس وقت جہاں چاہے پہنچادے اور بارش ہوجائے۔ چنانچہ اتنا فرمانا تھا کہ چاروں طرف گہرے کالے بادل چھا گئے اور فوراً بارش ہونے لگی۔ علامہ محمد شمس القمر قادری رضوی فرماتے ہیں:

''سبحان اللہ کس طرح کامل ایمان رکھنے والے تھے۔ اعلیٰ حضرت

خود فرماتے ہیں، بحمد اللہ اگر قلب کے دو ٹکڑے کئے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا لا الٰہ الا اللہ، دوسرے پر لکھا ہوگا محمد الرسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) غور فرمایئے کہ دعویٰ سوائے عارفِ کامل کے کون کرسکتا ہے۔ یہ صوفیا اور اہلِ اللہ ہی کا خاصہ ہے۔''

(سُنّی آواز۔ (ماہنامہ) مضمون۔ نورِ ایمان، مصنف علامہ شمس القمر قادری رضوی۔ ص: ۱۹۳)

الغرض اسی طرح کے کئی واقعات جن سے ایک عام انسان بے چین و پریشان ہوجاتا ہے گھبرا کر استقامت کا دامن چھوڑ دیتا ہے اعلیٰ حضرت کی دنیاوی زندگی میں بھی آپ کو پیش آئے لیکن ہر وقت آپ نے اپنے ایمان و ایقان کا مظاہرہ کیا۔ اکثر واقعات سے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ بارگاہِ رب العزت میں اپنے ایمانِ کامل اور یقینِ محکم کا امتحان دے رہے ہیں اور کامیابی کے ساتھ سلوک کی منزلیں طے کررہے ہیں۔

اعلیٰ حضرت کی تمام زندگی شریعتِ محمدیہ کی آئینہ دار تھی۔ آپ کے تقویٰ و طہارت کی نظیر کوئی کہاں سے لائے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کو اگر کوئی جاننا اور سمجھنا چاہے تو اس کو اعلیٰ حضرت کی حیات کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ اللہ کے حقوق جو بندے پر ہیں اس کی ادائیگی ہی میں ہم سے سینکڑوں کوتاہیاں سرزد ہوتی ہیں اور تساہل کا یہ عالم کہ اللہ رب العزت ہی معاف فرمائے۔ لیکن اعلیٰ حضرت کا ذوقِ عبادت دیکھئے کہ آپ کسی کتاب کا مطالعہ فرمارہے تھے جس میں سابقہ زمانے کے عابدین، اولیائے کاملین کا ذکر تھا کہ فلاں عابد نے اتنے روز کھانا نہیں کھایا اور خدا کی عبادت کی اور فلاں فلاں نے اتنے اتنے روز کھانا نہیں کھایا اور خدا کی عبادت کرتے رہے۔ بس

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

یہ پڑھ کر اعلیٰ حضرت نے بھی اسی وقت سے کھانا تناول فرمانا چھوڑ دیا۔ اہلِ خانہ کو اور جن جن احباب کو اس بات کی خبر ہوتی گئی ان کی فکر بڑھتی گئی کہ کیا وجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت نے کھانا چھوڑ دیا ہے۔ کئی بار اہلِ خانہ، دوست احباب، خلفاً، تلامذہ نے عرض کیا کہ حضور کھانا تناول فرمائیں۔ ارشاد فرمایا، آپ حضرات کھانا تناول فرمائیں فقیر کا روزہ ہے۔ وقت گذرتا گیا، احباب کی فکر بڑھتی گئی کہ اعلیٰ حضرت کو کھانا کیسے کھلایا جائے۔ اعلیٰ حضرت دن میں روزہ رکھتے اور صرف پانی کے چند گھونٹ سے روزہ افطار فرماتے اور کچھ بھی تناول نہ فرماتے۔ یوں ہی سحری میں پانی کے چند گھونٹ پی کر روزہ رکھ لیتے۔ غالباً رجب المرجب کا مہینہ تھا کچھ احباب نے سجادۂ آستانہ عالیہ مارہرہ مطہرہ پیر طریقت حضرت سیّد مہدی میاں صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کو اطلاع بھیجی لیکن وہ دولت کدے پر تشریف فرما نہیں تھے۔ شیر بیشۂ اہلِ سُنّت محافظِ ناموسِ رسول حضرت علاّمہ شاہ محمد ہدایت رسول صاحب کو اطلاع بھیجی گئی لیکن وہ بھی مکان میں تشریف فرما نہیں تھے۔ تبلیغِ سُنّت میں مُلک کا دورہ فرما رہے تھے جب ان کو اطلاع ہوئی تو فوراً بریلی شریف کے لئے روانہ ہوگئے اور قبلِ مغرب محلۂ سوداگران پہنچے۔ مولانا ہدایت رسول صاحب کو بتایا گیا کہ آج چھتیس روزے ہوگئے ہیں کہ اعلیٰ حضرت نے کھانا نہیں کھایا، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ بات کیا ہے۔ اتنے ہی میں مغرب کی اذاں ہونے لگی، لوگ مسجد کی طرف چل دیئے، حضور اعلیٰ حضرت بھی مکان سے باہر تشریف لائے اور مسجد میں نمازِ مغرب کی امامت فرمائی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد مولانا ہدایت رسول صاحب نے کچھ فاصلے سے کھڑے ہوکر سلام عرض

کیا۔ اعلیٰ حضرت نے سلام کا جواب عطا فرمایا اور مولانا ہدایت رسول صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ صاحب! آج دُور کیسے بیٹھے ہیں، آیئے مصافحہ کریں، یہ کہہ کر اعلیٰ حضرت اُٹھے اور مولانا ہدایت رسول صاحب کی طرف بڑھے، مولانا صاحب پیچھے ہٹے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا مولانا صاحب کیا بات ہے؟ مولانا ہدایت رسول صاحب نے عرض کیا، میں تو صرف ایک بات عرض کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ ارشاد ہو فرمایئے، تو مولانا ہدایت رسول صاحب نے عرض کیا کہ اب اہلِ سُنّت کو چوڑیاں پہن کر گھروں میں بیٹھ جانا چاہئے۔ اعلیٰ حضرت نے تعجب کے لہجے میں فرمایا، مولانا یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ مولانا نے عرض کیا، جب اہلِ سُنّت کا امام کھانا پینا چھوڑ دے تو اس کی دنیاوی زندگی کا کیا سہارا کیا جا سکتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ میری نظر سے سابقہ زمانے کے عابدین کا حال گذرا۔ ان لوگوں نے بغیر کھائے پیئے خداوندِ قدّوس جل مجدہ کی عبادت کی ہم بھی تو اُمّتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا سے ہیں، اس لئے میں نے کھانا پینا چھوڑ دیا لیکن بارگاہِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عطا ہوتا رہا۔ مولانا صاحب نے عرض کیا، حضور میری آنکھیں تو نہیں دیکھتی ہیں میں تو آپ کا مہمان ہوکر آیا ہوں اور مہمان کے ساتھ میزبان کا تناول فرمانا بھی ضروری ہے، میری یہ ضد ہے کہ اگر آپ کھانا نہیں کھائیں گے تو آج سے میں بھی نہیں کھاؤں گا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ مولانا صاحب کا بڑا لحاظ رکھتے تھے اور مولانا ہدایت رسول صاحب کی بات کو بہت زیادہ مانتے تھے، فوراً گھر میں اطلاع ہوئی اور مہمان خانے میں دسترخوان بچھا دیا گیا، کھانا چُنا گیا۔ مولانا ہدایت رسول صاحب نے اپنے ہاتھ دھو لئے پھر اعلیٰ

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

حضرت کے دھلوائے اور اس طرح چھبیس دن کے بعد اعلیٰ حضرت نے مولانا ہدایت رسول صاحب کے ساتھ کھانا تناول فرمایا۔

(تجلیاتِ امام احمد رضا۔ مصنف۔ محمد امانت رسول قادری۔ ص:۴۴، ۴۵)

آیئے اسی طرح کا ایک اور واقعہ جس سے اعلیٰ حضرت کے حقوق اللہ کے جذبۂ شوق کا پتہ چلتا ہے ملاحظہ کیجئے۔ علامہ حضرت محمد شمس القمر صاحب قادری رضوی لکھتے ہیں:

"قانونِ شریعت تو یہ ہے کہ انسان کی عُمر آخری حصے سے گذرے کہ روزہ نہ رکھ سکے تو شیخِ فانی کا نام دیتے ہوئے اس کا حکم یہ ہے کہ فدیہ دے اور ناتواں کے لئے حکم ہے کہ قضا کرے۔ امام احمد رضا قدس سرہ اپنے لئے کچھ اور ہی کرتے ہیں جو درحقیقت تقویٰ ہے۔ ۱۳۳۹ہجری کا رمضان آپ کے لئے آخری رمضان تھا۔ گرمی شدید تھی، آپ نے فرمایا بریلی میں شدتِ گرما کے سبب میرے لئے روزہ رکھنا ممکن نہیں لیکن پہاڑ پر ٹھنڈک ہوتی ہے یہاں سے نینی تال قریب ہے، بھوالی پہاڑ پر روزہ رکھا جا سکتا ہے۔ وہاں جانے پر قادر ہوں لہٰذا میرے اوپر روزہ رکھنا فرض ہے چنانچہ رمضان وہیں گذارا اور پورے روزے رکھے۔"

(سُنّی آواز۔ ماہنامہ۔ مضمون۔ نورِ ایمان۔ از، علامہ شمس القمر قادری رضوی۔ ص:۱۹۵)

نماز جب سے آپ پر فرض ہوئی آپ نے اس وقت سے آخر وقت تک

پورے خشوع وخضوع کے ساتھ ادا فرمائی۔ آخری ایام میں جب چلنا پھرنا دوبھر ہوگیا تھا کسی کے سہارے مسجد جایا کرتے تھے تب بھی نماز باجماعت ادا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب کوئی مسجد لے جانے والا نہ ملا اور نماز کا وقت قریب آنے لگا تو آپ اپنے کو گھسیٹتے ہوئے کسی طرح مسجد پہنچے اور باجماعت نماز ادا فرمائی۔ اللہ اللہ، حقوق اللہ کی ادائیگی۔ ذوق کی یہ مثال کوئی کہاں سے لائے۔!

اعلیٰ حضرت کے حقوق العباد کے ادا کرنے کا طریق ومعیار بھی اس قدر اعلیٰ وارفع اور بلند وبالا تھا کہ آج کے دور میں تو کُجا خود اعلیٰ حضرت کے زمانے میں اس کی مثال ملنی دشوار تھی۔ آپ اپنے والدین اور بزرگوں کا ادب پورے خلوص اور دل کی گہرائیوں سے کیا کرتے تھے۔ پہلی مرتبہ جب اپنی والدہ کے ساتھ فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد واپس ہو رہے تھے تو سمندر میں طوفان اُٹھا اور تین دن تک رہا۔ بقولِ اعلیٰ حضرت لوگوں نے کفن پہن لئے تھے۔ حضرت والدہ ماجدہ کا اضطراب دیکھ کر ان کی تسکین کے لئے بے ساختہ میری زبان سے نکلا آپ اطمینان رکھیں خدا کی قسم جہاز نہ ڈوبے گا۔ غرض جب خیریت سے بریلی پہنچے تو والدہ ماجدہ نے اعلیٰ حضرت سے فرمایا، حج اللہ کے فضل وکرم سے ادا ہوا اب میری زندگی میں دوبارہ حج کا ارادہ نہ کرنا۔ ان کا یہ فرمانا اعلیٰ حضرت کو یاد رہا۔ چنانچہ جب اعلیٰ حضرت کے چھوٹے بھائی اور بڑے صاحبزادے سفرِ حج پر روانہ ہوئے تو اعلیٰ حضرت سے رہا نہ گیا، جی چاہتا تھا کہ فوراً حرم شریف پہنچیں اور زیارتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرّف ہوں، چونکہ ماں باپ کی ممانعت کے ساتھ حجِ نفل جائز نہیں لہٰذا آپ نے والدہ ماجدہ سے

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

اجازت حاصل کرنے کا ارادہ فرمایا اور زنان خانے میں پہنچے جہاں آپ کی والدہ چادر اوڑھ کر آرام فرما رہی تھیں۔ آپ نے اپنا سر ان کے قدموں پر رکھ دیا جب وہ بیدار ہوئیں تو حج کی اجازت چاہی۔

والدین کے ادب واحترام اور اطاعت کی ایسی بہت سی مثالیں اعلیٰ حضرت کی حیات میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ جب والدِ ماجد مولانا نقی علی خاں صاحب کا انتقال ہوا تو اعلیٰ حضرت اپنے حصّے کی جائیداد کے خود مالک ومختار تھے مگر سب اختیار والدہ ماجدہ کے سپرد تھا کہ وہ مالکہ کی حیثیت سے جس طرح چاہیں صَرف فرمائیں۔ اعلیٰ حضرت کو کتابوں وغیرہ کی خریدی کے لئے کسی بڑی رقم کی ضرورت پڑتی تو والدہ کی خدمت میں درخواست کرتے اور جب وہ اجازت دیتیں تب ہی وہ کتابیں خریدتے۔

اعلیٰ حضرت نہایت سخی اور سیر چشم تھے۔ جو دروازے پر آتا خالی نہ جاتا۔ غریبوں، طالب علموں، ناداروں، یتیموں اور بیواؤں کے وظائف مُقرّر تھے۔ بیرونی ضرورت مندوں کو منی آرڈر کے ذریعے رقوم بھیجتے۔ روپیہ جمع کر کے نہ رکھتے بلکہ جتنا روپیہ ہوتا تقسیم فرما دیتے۔ ایک بار آپ نے فرمایا، ''میں نے کبھی ایک پیسہ زکوٰۃ کا نہیں دیا، چونکہ میرے پاس کبھی اتنی رقم جمع ہوئی ہی نہیں کہ سال گذر جانے کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہو''۔

(المیزان۔امام احمد رضا نمبر۔مضمون: امام احمد رضا علوم وفنون کا ہمالہ۔از: مقبول جہانگیر۔ص:۳۴۶)

اعلیٰ حضرت میں نہ صرف غریب پروری حد درجہ تھی بلکہ غریب نوازی میں بھی آپ یکتائے روزگار تھے۔ غریبوں کی دعوت قبول فرما کر ان کے خس پوش اور خستہ

حال گھروں میں قدم رنجہ فرما کر جس کی عادت نہیں ہوتی تھی خوشی خوشی نوش فرماتے تھے اور دُعائے خیر وبرکت وخوش حالی سے ان کو نوازتے تھے۔ غریب لوگ از قسم خستہ حال مزدور وغیرہ محض حصولِ دُعا کی خاطر دعوتیں کیا کرتے تھے اور حضرت قبول فرما کر ان کی خواہش پوری کرتے تھے۔

اعلیٰ حضرت شدّت ورحمت میں بے عدیل فضائل کے حامل تھے۔ مسائلِ دین میں ان کی شدّت کا یہ عالَم تھا کہ غیر مشروع حرکت یا بات ایک آنہ پسند نہیں تھی جس بات پر فوراً ہی غصّہ آجاتا تھا اس پر پٹھان ہونے کی چھاپ لگ جاتی تھی لیکن جب کبھی اپنی غلطی محسوس فرمالیتے تو معذرت خواہی میں پٹھانی شدّتِ کرم کا مظاہرہ فرماتے تھے۔

(المیزان۔امام احمد رضا نمبر۔مضمون: امام احمد رضا اور ان کی خصوصیات۔از: خواجہ ابرار حسین۔ص:۳۵۲)

یہاں تک کہ جس سے آپ معذرت چاہ رہے ہیں وہ عُمر، علم اور فضیلت میں آپ سے کتنا ہی کم کیوں نہ ہو۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک رمضان المبارک کے آخری دہے میں آپ اعتکاف فرما رہے تھے۔ آپ کو افطار کے بعد پان کھانے کی عادت تھی، جو لڑکا آپ کے لئے پان لایا کرتا تھا ایک دن افطار کے بعد جلد نہیں لا سکا۔ اعلیٰ حضرت نے اس کو پان دیر سے لانے کی پاداش میں ایک تھپّڑ رسید کیا لیکن جب اعلیٰ حضرت کو اس بات کا علم ہوا کہ غلطی لڑکے کی نہیں بلکہ اُن کی ہے جنہوں نے لڑکے کے ذریعے پان بھجوایا تو آپ نے لڑکے سے فرمایا کہ وہ بھی انہیں ایک طمانچہ رسید کردے۔ جب لڑکے نے ایسا کرنے سے انکار کیا تو آپ نے اُسے چند سکّے

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

دے کر تھپڑ مارنے کو کہا۔ لڑکے نے آپ کو معاف کر دینے کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ تو نابالغ ہے، تیری معافی شرعاً قابلِ قبول نہیں، اس لئے تجھے تھپڑ مارنا ہی ہوگا۔ جب لڑکا اس پر بھی راضی نہ ہوا تو آپ نے خود اس کا ہاتھ لے کر اپنے گال پر دے مارا۔

حقوق العباد میں اعلیٰ حضرت کا تقویٰ دیکھئے کہ اس میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔ اعلیٰ حضرت کے وصال سے کچھ ایام قبل کا چشم دید واقعہ مولانا جعفر شاہ پھلواروی اس طرح لکھتے ہیں:

> ”نمازِ جمع کے بعد اپنے ضعف و مرض کی حالت میں درد و اثر میں بھری ہوئی آواز میں چند کلمات کچھ اس طرح کہے۔ ”میری طرف سے تمام اہلِ سُنّت مسلمانوں کو سلام پہنچا دو اور میں نے کسی کا قصور کیا ہے تو میں اُس سے بڑی عاجزی سے اس کی معافی مانگتا ہوں، مجھے خدا کے لئے معاف کر دیا مجھ سے کوئی بدلہ لے لو۔“
>
> (سُنّی آواز۔ ماہنامہ۔ مضمون۔ نورِ ایمان، از۔ شمس القمر قادری رضوی۔ ص: ۱۹۷)

اعلیٰ حضرت کے رہن سہن اور روز مرّہ کے معاملات پر ایک نظر ڈالیں تو آپ کے کردار کی پاکی اور اوصاف کی شائستگی اسلاف کی یاد تازہ کرتی ہے۔ یہاں آپ کی بعض عادات و خصائل کا ذکر ضروری ہے۔ ہفتے میں دو بار جمعہ اور سہ شنبہ کو لباس تبدیل فرماتے، ہاں اگر پنجشنبہ یا شنبہ کو یومِ عیدین یا یومِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم آکر پڑتے تو دونوں دن لباس تبدیل فرماتے۔ ان دونوں تقریبوں کے علاوہ سوا یومِ معیّن کے کسی اور وجہ سے لباس تبدیل نہ کرتے۔ ایک مرتبہ مولانا وصی احمد محدّثِ

سورتی کے عُرس سے پیلی بھیت سے واپسی صبح کی گاڑی سے ہوئی، اعلیٰ حضرت نے اس وقت اسٹیشن پر آکر وظیفے کی صندوقچی اپنے خادمِ خاص حاجی کفایت اللہ صاحب سے طلب فرمائی۔ کسی نے جلدی سے ویٹنگ روم سے اس زمانے کی لمبی آرام کرسی لاکر بچھا دی، دیکھ کر ارشاد فرمایا، یہ تو بڑی متکبرانہ کرسی ہے۔ جتنی دیر تک وظیفہ پڑھتے رہے آرام کرسی کے تکیے سے پُشتِ مبارک نہ لگائی۔ اعلیٰ حضرت اپنا وقت کبھی بیکار نہیں گذارتے تھے۔ ہمہ وقت تالیف و تصنیف و فتاویٰ نویسی کا مشغلہ جاری رہتا، اسی وجہ سے اندر کے کمرے میں تشریف رکھتے تھے کہ باتوں میں کام نہیں ہوگا یا بہت ہی کم ہوگا، صرف پنجگانہ نماز کے لئے باہر تشریف لاتے تاکہ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں یا کسی مہمان سے ملنے کے لئے جمعہ کو بعدِ نماز پھاٹک میں تشریف رکھتے۔ روزانہ عصر کی نماز پڑھ کر پھاٹک میں چارپائی پر تشریف رکھتے اور چاروں طرف کرسیاں رکھ دی جاتیں۔ یہی وقت عام لوگوں کی ملاقات کا تھا جس میں لوگ مسائل دریافت کرتے یا آپ خطوط کے جوابات دیتے یا استفتا کے جوابات لکھواتے۔ اس وقت علوم و فیوض کے دریا جاری ہوتے اور حضارِ آستانہ مستفیض ہوا کرتے۔ مغرب کی نماز کے بعد زنان خانہ میں تشریف لے جاتے اور وہیں تصنیف و تالیف و کتب بینی اور اوراد و اشغال میں مصروف رہتے۔

آپ حدیث کی کتابوں کے اُوپر کوئی دوسری کتاب نہ رکھتے۔ اگر اقوالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجمانی فرما رہے ہیں اور اس درمیان میں کوئی شخص بات کاٹتا تو سخت کبیدہ خاطر ہوتے۔ ایک پاؤں دوسرے پاؤں کے زانو پر رکھ کر بیٹھنے کو ناپسند

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

فرماتے۔ میلادِ شریف کی مجلسوں میں آخر تک ادباً دوزانو بیٹھا کرتے اور اسی طرح دو زانو بیٹھ کر وعظ فرماتے۔ چار چار پانچ پانچ گھنٹے منبر پر تقریر کرنا ہوتا تب بھی زانو نہ بدلتے۔ کبھی ٹھٹھا نہ لگاتے، جماہی آتے ہی اُنگلی دانتوں میں دبا لیتے۔ قبلہ کی طرف کبھی پاؤں نہ پھیلاتے۔ بغیر صوف پڑی دوات سے لکھنا پسند نہ فرماتے یوں ہی لوہے کی نِب سے اجتناب کرتے۔ خط بنواتے وقت اپنا کنگھا اور شیشہ استعمال فرماتے۔ آخرعُمر میں پان کھانا چھوڑ دیا تھا ورنہ کثرت سے پان استعمال کرتے تھے مگر بغیر تمباکو کے۔ بہ وقتِ وعظ پان مطلق نہ کھاتے، ہاں ایک چھوٹی سی صراحی شیشے کی پاس رکھی ہوئی ہوتی اس سے خشکی رفع کرنے کے لئے غرارہ کرلیا کرتے۔

اعلیٰ حضرت ضعیف الجثہ اور نہایت قلیل الغذا تھے۔ آپ کی عام غذا چکّی کے پسے ہوئے آٹے کی روٹی اور بکری کا قورمہ تھی۔ آخرعُمر میں آپ کی غذا اور بھی کم ہوکر رہ گئی تھی۔ ایک پیالی شوربہ بکری کا بغیر مرچ کا اور ایک یا ڈیڑھ بسکٹ سوجی کا۔ کھانے پینے کے معاملے میں اس قدر سادہ مزاج تھے کہ ایک بار بیگم صاحبہ نے آپ کی عملی مصروفیت دیکھ کر جہاں آپ کاغذات اور کتابیں پھیلائے ہوئے بیٹھے تھے دسترخوان بچھا کر قورمہ کا پیالا رکھ دیا اور چپاتیاں دسترخوان کے ایک گوشے میں لپیٹ دیں کہ ٹھنڈی نہ ہوجائیں، کچھ دیر بعد وہ دیکھنے تشریف لائیں کہ حضرت کھانا تناول فرما چکے یا نہیں تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئیں کہ سالن آپ نے نوش فرمالیا ہے لیکن چپاتیاں دسترخوان میں اسی طرح لپٹی ہوئی ہیں۔ پوچھنے پر آپ نے فرمایا، چپاتیاں تو میں نے دیکھی نہیں، سمجھا ابھی نہیں پکی ہیں، میں نے اطمینان سے بوٹیاں کھالیں اور شوربہ پی

لیا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت میں لکھا ہے کہ رمضان المبارک کے زمانے میں افطار کے بعد پان نوش فرماتے، سحری میں صرف ایک پیالے میں فیرنی اور ایک پیالے میں چٹنی آیا کرتی تھی وہی نوش فرمایا کرتے تھے۔ کسی نے دریافت کیا کہ حضرت فیرنی اور چٹنی کا کیا جوڑ رہا، فرمایا نمک سے کھانا شروع کرنا اور نمک ہی پر ختم کرنا سُنّت ہے۔

آپ نے اُمورِ دنیا سے کبھی تعلق نہیں رکھا۔ آپ کے آبا و اجداد سلاطینِ دہلی کے دربار میں اچھے منصبوں پر فائز تھے۔ جب آپ نے آنکھ کھولی تو گردوپیش امارت و ثروت کی فضا پائی، خود زمیندار تھے لیکن ساری جائیداد کا کام دوسرے عزیزوں کے سُپرد تھا۔ آپ کو کتابوں کی خریداری، سادات کی مہمان نوازی اور گھر کے اخراجات کے لئے ماہانہ ایک رقم مِل جاتی تھی۔ چونکہ داد و دہش کے عادی تھے اس لئے کبھی ایسا ہوا کہ قلمدان میں ساڑھے تیرہ آنے سے زائد موجود نہیں رہے لیکن آپ نے کبھی نہیں پوچھا کہ گاؤں کی آمدنی کتنی آئی اور مجھے کتنی ملی۔

ایک جگہ خود تحریر فرماتے ہیں الحمدللہ میں نے مال 'من حیث ھو' مال سے کبھی محبت نہ رکھی صرف انفاق فی سبیل اللہ کے لئے اس سے محبت ہے۔ اسی طرح اولاد من حیث ھو اولاد سے بھی محبت نہیں صرف اس سبب سے کہ صلۂ رحم عملِ نیک ہے، اس کا سبب اولاد ہے اور یہ میری اختیاری بات نہیں میری طبیعت کا تقاضا ہے۔

مَلِکُ العلماء حضرت مولانا ظفر الدین صاحب قادری کو ایک ذاتی خط میں تحریر فرماتے ہیں "خط کے جواب میں یہ چاہا تھا کہ آیات و احادیث و دربارۂ خرمِ دنیا

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari
Scanned by CamScanner

http://ataunnabi.blogspot.in

ومن التفات بہ تمولِ اہلِ دنیا لکھ کر بھیجوں مگر وہ سب بہ فضلِ تعالیٰ آپ کے پیشِ نظر ہیں۔ فلاں کو دستِ غیب ہے، فلاں کو حیدر آباد میں رُسوخ ہے، یہ تو دیکھا۔ مگر یہ نہ دیکھا کہ آپ کے پاس بعونہ تعالیٰ علمِ نافع ہے، ثبات علی السنۃ ہے۔ ان کے پاس علمِ نافع یا علمِ مضر ہے۔ اب کون زائد ہے؟ کس پر نعمتِ حق بیشتر ہے۔ بہ شرطِ ایمان وعدہ علو وغلبہ بہ اعتبارِ دین ہے نہ یہ کہ دنیوی امور میں مؤمنین کو تفوق ہے۔ دنیا سجنِ مؤمن ہے۔ سجن میں جتنا آرام مل رہا ہے کیا محض فضل نہیں۔ دنیا فاحشہ ہے، اپنے طالب سے بھاگتی ہے اور ہارب کے پیچھے دوڑتی ہے۔ دنیا میں مؤمن کا قوت کفاف بس ہے۔

تحریکِ خلافت کے زمانے میں گاندھی جی پورے مُلک کا طوفانی دورہ کر رہے تھے۔ مسلمان عوام کے ساتھ علماً کو بھی اپنا ہم خیال بنا رہے تھے اور تحریکِ خلافت کی طرف انہیں متوجہ کر رہے تھے۔ حضرت مولانا قیام الدّین عبدالباری فرنگی محل تحریک سے متاثر ہو چکے تھے اور فرنگی محل میں گاندھی جی، علی برادران اور دوسرے سیاسی اکابر آتے رہتے تھے۔ اُن لوگوں کو خیال ہوا کہ بریلی میں مولانا احمد رضا خاں صاحب سے مل کر آپ کو بھی اس طرف متوجہ کرنا چاہئے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے ایک بڑے حلقے پر آپ کا اثر ہے، اِس طرح بہت سے مسلمان تحریکِ خلافت کا ساتھ دے سکیں گے۔ چنانچہ ایک صاحب ایک دن بہت خوش خوش آئے اور گاندھی جی کا پیغام حضرت کے پاس لائے کہ وہ بریلی آکر آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے بہت مختصر جواب دیا، فرمایا

"گاندھی جی کسی دینی مسئلہ کے متعلق مجھ سے باتیں کریں گے یا دنیاوی معاملات پر گفتگو کریں گے اور دنیاوی معاملے میں میں

کیا حصّہ لوں گا جب کہ میں نے اپنی دنیا چھوڑ رکھی ہے اور دنیاوی معاملات سے کبھی کوئی غرض نہیں رکھا۔"

(المیزان۔ امام احمد رضا نمبر، مضمون: امام احمد رضا کا شخصی جائزہ۔ پروفیسر مختار الدین احمد۔ ص: ۳۳۴)

اعلیٰ حضرت کے اخلاق و عادات نہایت عمدہ اور اچھے تھے۔ پوری زندگی حبِّ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اتباعِ شریعت میں گذاری۔ اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام لیتے نہ کچھ شکایت کرتے۔ پانچوں وقت نماز نہایت اہتمام سے ادا کرتے، طبیعت شدید ناساز ہوتی تب بھی مسجد میں تشریف لاتے اور جماعت سے نماز ادا کرتے۔ فرض روزوں کے علاوہ اکثر نفل روزے رکھتے۔ ایک بار رمضان میں بیمار پڑے اور حالت نازک ہوگئی، طبیبوں نے ہر چند اِصرار کیا کہ روزہ توڑ دیجئے مگر نہ مانے اور روزے کی برکت ہی سے صحت حاصل ہوگئی۔ رات کو سوتے وقت نامِ اقدس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں لیٹتے، سلام کرنے میں ہمیشہ پہل کرتے۔ کسی چیز کے لینے یا دینے کے لئے دایاں ہاتھ بڑھاتے، کبھی قہقہہ نہ لگاتے، تبسّم فرماتے۔ قبلہ کی طرف مُنہ کر کے نہ تھوکتے، قبلہ کی طرف پاؤں کبھی دراز نہ کرتے، آہستہ آہستہ چلتے، اکثر نگاہیں نیچی رکھتے۔ ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھ کر بیٹھنے کو ناپسند کرتے، اگر آپ کوئی حدیث بیان کر رہے ہوں یا قرآن کی آیت کا ترجمہ کر رہے ہوں ایسے میں درمیان میں کوئی قطع کلام کرتے تو سخت ناراض ہوتے۔"

(المیزان۔ امام احمد رضا نمبر۔ مضمون: امام احمد رضا علوم وفنون کا ہمالہ۔ از: مقبول جہانگیر، ص: ۳۴۶)

مولانا عبدالکریم نعیمی نے اپنے مضمون "ایشیا کا عظیم محقق" میں اعلیٰ حضرت کی بعض خصوصی عادتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ:

۱۔ آپ لفظ محمد سُن کر صلی اللہ علیہ وسلم ضرور فرماتے تھے۔

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

۲۔ نماز عمامہ باندھ کر پڑھتے۔

۳۔ مسواک ضرور کرتے۔

۴۔ سرِ مبارک میں پھلیل ڈلواتے۔

۵۔ تعویذ خدمتِ خلق کے طور پر مفت دیتے تھے۔

۶۔ دُکان دار آپ کو مفت سودا دینے کی خواہش کرتے یا کم لینا چاہتے مگر آپ ہمیشہ بازار کی قیمت ادا کرتے۔

۷۔ لوگوں کا دل رکھنا ضروری سمجھتے تھے

۸۔ چلتے وقت بہت آہستہ قدم اُٹھاتے اور نگاہیں عام طور پر نیچی رکھتے۔

۹۔ نماز بہت آہستہ اور سکون سے پڑھتے۔

۱۰۔ ہر شخص کے ساتھ اخلاق سے پیش آتے، حیثیت کے مطابق ہر شخص کی تعظیم بھی کرتے۔

۱۱۔ ساداتِ کرام کی بڑی عزت اور خاطر مدارات کرتے۔ کسی کو خلافِ شرع کام یا باتیں کرتے ہوئے دیکھتے تو فوراً اس پر تنبیہ فرماتے۔

(المیزان۔ امام احمد رضا نمبر: مضمون۔ امام احمد رضا ایشیا کا عظیم محقق: از۔ مولانا عبدالکریم نعیمی)

اعلیٰ حضرت کی سیرت کے جن پہلوؤں کو پچھلے صفحات میں پیش کیا گیا ہے اس سے یہی بات ثابت کرنی مقصود ہے کہ اعلیٰ حضرت کی زندگی کسی صوفی کامل کی زندگی سے الگ نہیں تھی۔ آپ کی پاک زندگی، پاک سیرت خالص ایک عارف باللہ کی سیرت تھی۔ آپ کا علم، عمل بود و باش کا طریقہ، آپ کا رہن سہن، آپ کی فکر، آپ کے نظریات غرض زندگی کا ہر پل اور ہر عمل ایسا ہے جس سے آپ کے ولی کامل ہونے

کا ثبوت ملتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کا علم نہایت وسیع اور گہرا تھا۔ سالک کا علم جتنا وسیع اور گہرا ہوتا ہے سلوک کی منزلیں طے کرنے میں اُسے اتنی ہی سہولت ہوتی ہے۔ اس راہ میں شیطان کے بہکاوے سے بچنے کے لئے فضلِ ربی کے ساتھ علم لازمی ہے۔ اعلیٰ حضرت اکثر حضور غوث الاعظم دستگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مریدوں کی حکایت بیان کر کے فرمایا کرتے تھے کہ بے علم صوفی کو شیطان کچے تاگے کی لگام ڈالتا ہے چنانچہ بے علم صوفی کے راہِ شریعت سے بھٹک جانے کا امکان رہتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی ساری زندگی شریعتِ مطہرہ کا بے مثال عملی نمونہ تھی۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ایک مجذوب اور سالک صوفی میں فرق ہوتا ہے۔ مجذوب مقامِ حیرت ہی میں فنا ہو جاتا ہے اور بقا حاصل کر لیتا ہے لیکن سالک صوفی مقامِ حیرت سے بہ حواس گذرتا ہے اور فنا فی اللہ کی منزل میں پہنچ کر بھی اس بات کا شعور رکھتا ہے کہ وہ عبد ہے معبود نہیں۔ راہِ سلوک میں اعلیٰ حضرت کے منزلیں طے کرنے کا اندازہ ان کے عمل سے لگایا جا سکتا ہے۔ صوفی سلوک کی منزلیں جس قدر طے کرتا جاتا ہے اُسی قدر اس کے عمل میں نکھار آتا چلا جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے ایک ایک عمل کا بہ غور مطالعہ کریں تو آپ خود اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ سلوک کی منزلیں طے کرنے کے دوران آپ کا ہر عمل آپ کے بلند ہوتے ہوئے مراتب کا پتہ دیتا ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ ہر کوئی ولی کامل کو پہچان نہیں پاتا اور اگر پہچان بھی لے تو ولی کے مقام کے تعین میں واللہ اعلم بالصواب کہنے کے سوا کوئی اور چارہ نہیں رہ جاتا۔

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

امام احمد رضا

کا

عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)

اعلیٰ حضرت کے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر گفتگو کرنے سے پہلے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ''عشق'' کے مفہوم و مطلب کی وضاحت کی جائے۔

''عشق'' کی تعبیر و تشریح میں علماً نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ عشق ایک جذبہ ہے جس کا تعلق نفس سے ہے جو کسی حُسنِ مجسم کو دیکھنے سے پیدا ہوتا ہے اور یہ نفسانی خواہش سے الگ نہیں۔ علماً نے اس نفسانی خواہش پر روک لگانے کے لئے حُسن کو پردے میں رکھنے کے شرعی حکم کو راست اور بجا قرار دیا ہے۔ جو عشق نفسانی خواہش کے تابع ہو وہ ''عشقِ حیوانی'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''عشق'' علماً، اہلِ شریعت اور فقہا کے یہاں کبھی حاوی نہیں رہا البتہ عشقِ حیوانی سے ہٹ کر ''عشقِ مجازی'' جس میں نفسانی خواہش کے ساتھ ایک ٹھہراؤ اور ایثار کا جذبہ بھی شامل ہوتا ہے علما نے اس کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔

شیخ ابن العربی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ قرآن میں عشق کو محبت کی شدت قرار دیا گیا ہے۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کے خیال میں محبت میلانِ طبیعت ہے، ایسی شئے کی طرف جس سے لذت حاصل ہوتی ہے، اگر یہ میلان قوی اور پختہ ہو جاتا ہے تو اس کو ''عشق'' کہتے ہیں۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے عشق کا مطالعہ خارجی طور پر کیا ہے مگر میلانِ طبیعت کہہ کر اس کے داخلی پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ اس موضوع سے متعلق ان کے یہاں یہ تین باتیں واضح ہیں:

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

۱﴾ محبت میلانِ طبع یار، جانِ طبع ہے۔

۲﴾ کسی ایسی شئے کی طرف طبیعت مائل ہو جس کو دیکھنے یا ملنے سے لذت حاصل ہو، لذت کا مسرت آفریں ہونا ضروری ہے کیونکہ طبیعت اُسی شئے کی طرف راغب ہوتی ہے جو باعثِ انبساط ہو۔ چنانچہ محبت کرنے والا محبوب کے قُرب سے لذت حاصل کرتا ہے تو اس کے میلانِ طبع کو محبت کہا جا سکتا ہے۔

۳﴾ جب یہ جذبہ قوی ہو اور عاشق کے وجود کو اپنی گرفت میں لے لے اور وہ محبوب کے سوا ہر ایک سے لاتعلق اور بیگانہ ہو جائے تو عشق ہے۔ چنانچہ محبت وجودِ انسانی میں چھپی ہوئی ایک جبلّت ہے جو عالمِ خارجیہ میں حُسن کے مشاہدے سے انسان میں وجدانی کیفیت پیدا کرتی ہے اور وہ انبساط اور سرخوشی کا تجربہ اپنے وجود میں کرتا ہے۔

''اس لفظ کو سامنے رکھ کر مُلّا محمود قاشانی رحمتہ اللہ علیہ نے جمال کی طرف بڑا ہی بلیغ اشارہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ محبت مطالعۂ جمال کے لئے باطن کا میلان ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ محبت داخلی کیفیت ہے جسے ہم وجدان کہہ سکتے ہیں۔ خواجہ یحییٰ معاذ علیہ الرحمہ کا خیال ہے کہ محبت ایک حال ہے (یعنی کیفیت یا وجدان) اور اس کی تعبیر قول یا الفاظ سے نہیں ہو سکتی۔ محبت ایک جذبہ یا جذبۂ حالیہ ہے اور جذبہ کا ادراک ذوق و وجدان سے ہی ہو سکتا ہے نہ کہ تعقّل سے۔''

(رموزِ عشق۔ از۔ ڈاکٹر میر ولی الدین۔ ص:۴۶)

''وجدان'' جب عشق کی صورت میں تبدیل ہو جاتا ہے تو عاشق کی ذات بے شمار خوبیوں کا منبع بن جاتی ہے۔ اس لئے بھی کہ وجدان کی منزل سے گذرا ہوا عشق، عاشق میں جو تنظیمی قوت پیدا کرتا ہے اس پر ایک ماورائی تاثر کام کرتا ہے جس کی بدولت عاشق میں ایسی خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو عام انسانوں سے اس کو ممیّز و ممتاز کرتی ہیں۔ ایسے عاشق کے کردار میں وہم و شک کی جگہ یقین و ذوق، خوف و تذبذب کی جگہ تعظیم و توقیر، غیظ و غضب کی جگہ صداقت و عدل جیسی خوبیاں دیکھی جا سکتی ہیں مگر ان سب خوبیوں کا انحصار عاشق میں استواری اور محبوب سے وفا شعاری پر مبنی ہوتا ہے۔

جو وجدان عشق میں تبدیل ہوتا ہے وہ گویا مجاز سے حقیقت کی منزل میں داخل ہوتا ہے اور ایسا عاشق جس کا دل عشقِ حقیقی سے سرشار ہو وہ دنیا اور اس کی آلائشوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس کی یہ سرشاری اس کے اخلاق کو سنوارتی اور اُسے مکمل انسان بنا دیتی ہے۔ اِس مقام پر پہنچ کر جب وہ کسی پیرِ کامل کا دامن تھام لیتا ہے تو سلوک کی منزلیں تیزی سے طے کرنے لگتا ہے۔ فنا فی الشیخ، فنا فی الرّسول اور فنا فی اللہ کی منزلوں کا طے کرنا پیرِ کامل کی رہبری اور نظرِ عنایت کے بغیر ممکن نہیں، شرط یہ ہے کہ عاشقِ حقیقی کا دل پاک و مصفّا ہونے کے ساتھ ساتھ فنا کی منزلوں سے گذرنے کی طلب اور آرزو رکھتا ہو۔ مزید وضاحت سے پہلے آیئے اعلیٰ حضرت کے بیعت و خلافت کے واقعے پر ایک نظر ڈال لیں۔

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

اعلیٰ حضرت اور آپ کے والدِ ماجد حضرت مولانا نقی علی خاں رحمتہ اللہ علیہ نے مارہرہ شریف میں حضورِ پُرنور سیّد شاہ آلِ رسول احمدی وصی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دستِ حق پرست پر ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۸۷۷ء میں سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں بیعت کیا۔ اُسی وقت مرشدِ برحق مولانا سیّد آلِ رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ دونوں حضرات کو خلافت نامہ عطا فرما کر خرقۂ مقدسہ سے بھی سرفراز فرمایا۔ حضرت مولانا سیّد ابوالحسین نوری عرف میاں صاحب نے حضرت سیّد آلِ رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی کہ حضور آپ کے یہاں تو طویل بامشقت مجاہدات و ریاضات کے بعد خلافت واجازت دی جاتی ہے تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ان دونوں حضرات کو بیعت کرتے ہی خلافت بھی دے دی گئی۔ حضرت مرشدِ برحق نے فرمایا،

"میاں صاحب اور لوگ زنگ آلودہ، میلا کچیلا دل لے کے آتے ہیں، اس کی صفائی اور پاکیزگی کے لئے مجاہدات، طویل ریاضتِ شاقہ کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ دونوں حضرات صاف ستھرا پاکیزہ دل لے کر ہمارے پاس آئے، ان کو صرف اتصالِ نسبت کی ضرورت تھی اور وہ مرید ہوتے ہی حاصل ہوگئی۔ پھر مزید آپ نے فرمایا کہ مجھے اس بات کی بہت بڑی فکر رہتی تھی کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے آلِ رسول تو میرے لئے کیا لایا ہے تو میں بارگاہِ الٰہی میں کون سی چیز پیش کروں گا لیکن آج وہ فکر میرے دل سے دور ہوگئی کیونکہ جب

جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ آلِ رسول میرے لئے کیا لایا ہے تو میں عرض کروں گا کہ الٰہی تیرے لیے احمد رضا لایا ہوں۔"

(سوانحِ اعلیٰ حضرت۔ از۔ علامہ بدرالدین قادری رضوی۔ ص ۱۳۲ تا ۱۳۳)

حضرت آلِ رسول رحمتہ اللہ علیہ ایک صاحبِ دل اور کامل بزرگ تھے۔ آپ نے اعلیٰ حضرت اور ان کے والد کے پاک اور مصفّا دلوں کو پہچان لیا تھا اور اس کا اندازہ بھی فرمالیا تھا کہ اِن دونوں عشقِ حقیقی کے متوالوں کو صرف اتصالِ نسبت کی ضرورت ہے چنانچہ بیعت کے ساتھ ہی خلافت کی نعمت سے بھی سرفراز فرمادیا اور خود اِس فکر سے بھی بے نیاز ہوگئے کہ اب بارگاہِ الٰہی میں نذرانے کے طور پر پیش کرنے کے لئے احمد رضا موجود ہیں۔ ایک صوفی اور پیرِ کامل کا اپنے مرید و خلیفہ پر اس قدر اعتماد اور ناز خود خلیفہ کے ولیِ کامل ہونے کا ثبوت فراہم کرتا ہے،

اعلیٰ حضرت کو جن سلاسلِ طریقت میں اجازت و خلافت حاصل تھی ان کی تعداد تیرہ ہے جن میں مشہور و معروف سلسلے قادریہ، چشتیہ، نظامیہ، محبوبیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ، علویہ وغیرہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے جب یہ نعمت اپنے پیرِ کامل سے حاصل فرمائی اور بارگاہِ پیر سے باہر آئے تو آپ کا چہرہ اپنے پیر جیسا نظر آنے لگا صرف داڑھی کی سیاہی اور سفیدی سے فرق کیا جاسکتا تھا۔ یہ مقام دراصل 'فنافی الشیخ' کا ہے کہ مُرید و خلیفہ جب اپنے وجود کو مُرشد کے وجود سے تصوّر کرنے لگتا ہے تو اُس کا وجود مرشد کے وجود سے اِس قدر قریب ہوجاتا ہے کہ دیکھنے والے اِس تذبذب کا شکار ہوجاتے ہیں کہ وہ مُرشد کو دیکھ رہے ہیں کہ مُرید کو، اعلیٰ حضرت 'فنافی الشیخ' سے متعلق

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

فرماتے ہیں:

"یہ خیال رکھے کہ میرا شیخ میرے سامنے ہے اور اپنے قلب کو اس کے قلب کے نیچے تصوّر کرکے اس طرح سمجھے کہ سرکارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و انوار قلبِ شیخ پر فائز ہوتے اور اس سے چھلک کر میرے دل میں آرہے ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ حالت ہوجائے گی کہ شجر و حجر، در ودیوار پر شیخ کی صورت صاف نظر آئے گی یہاں تک کہ نماز میں بھی جُدا نہ ہوگی اور پھر ہر حال اپنے ساتھ پاؤ گے۔"

(سوانح اعلیٰ حضرت۔ از۔ علامہ بدرالدین احمد قادری رضوی۔ ص:۳۴۵)

اعلیٰ حضرت بیعت و خلافت کے حاصل کرتے ہی اپنے قلبِ مصفّا اور طلبِ حقیقی کے ذوق کی بنا سلوک کی پہلی منزل "فنافی الشیخ" پر اس تیزی سے پہنچے جیسے بٹن کے دباتے ہی بجلی برقی گولے میں پیدا ہوجاتی ہے۔

ایک صوفی کا بنیادی عمل یہ ہوتا ہے کہ وہ خود کو سب سے حقیر سمجھتا ہے۔ نفس کے خیالات وخواہشات کا برابر محاسبہ کرتا رہتا ہے۔ بڑے بڑے اولیائے کاملین اپنے آپ کو گنہگار حقیر وفقیر ہی کہتے اور لکھتے رہے ہیں۔ اُن کا یہ کہنا اور لکھنا اُن کے تزکیۂ نفس کے عمل کا حصّہ ہوتا ہے ورنہ اُن کا گناہ نہ ہمارے جیسا گناہ ہوتا ہے اور نہ ہمارے خوفِ خدا کو اُن کے خشیتِ الٰہی سے کوئی نسبت ہوسکتی ہے۔ ہم صریح گناہ کرکے بھی نہ

خدا سے ڈریں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ خلق سے شرمائیں مگر ان کا حال ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ وہ جتنی عبادت کرتے ہیں اپنے رب کے حضور میں اسے کچھ نہیں جانتے اور یہی قیاس کرتے ہیں کہ "حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا"۔ اعلیٰ حضرت کی زندگی میں صوفیا کا یہ عملی جوہر بڑی آب وتاب کے ساتھ نظر آتا ہے۔ بلاشُبہ اُن کی عبادتیں اور اُن کا اپنے آپ کو حقیر سمجھنا اُن کے تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کے عملی پہلو کو ہمارے سامنے لاتا ہے۔

سلوک کی منزلوں سے گذرنے والے ہر صوفی کے لئے ضروری ہے کہ اُس کا اپنے پیرِ کامل سے پھر پور تعلقِ خاطر ہو، یہ نسبت جس قدر مضبوط اور استوار ہوگی راہِ سلوک کے طے کرنے میں اُسے اتنی ہی آسانی ہوگی۔ اعلیٰ حضرت کی اپنے پیر ومرشد سے گہری عقیدت، ساداتِ کرام کی تعظیم، اولیائے اسلام کا احترام اور حضرت غوث الاعظم دستگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بے پناہ وابستگی ایسے جوہر ہیں کہ جن کے فیوض نے اعلیٰ حضرت کی راہِ سلوک کو آسان اور منوّر وتاباں بنادیا۔

اعلیٰ حضرت اپنے مرشدِ گرامی سے سچی عقیدت رکھتے تھے۔ مرشدِ گرامی کے آگے اس قدر ادب واحترام سے سر جھکائے کھڑے یا بیٹھے رہتے کہ جیسے کوئی غلام ہے جو اپنے آقا کے آگے سر نیچا کئے اپنی بے بضاعتی کا ثبوت دے رہا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی علمی تصانیف کو بھی ان ہی کا فیض قرار دیتے تھے۔

ساداتِ کرام کی تعظیم وتکریم کے بے شمار واقعات آج بھی زبان زدِ خاص و عام ہیں۔ آپ کے نزدیک کسی کا سیّد ہونا ہی سب کچھ تھا۔ آپ کسی سیّد زادے کے علم

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

وفضل، حال وکمال سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے۔ جب آپ کو پتہ چل جاتا کہ فلاں صاحب سیّد زادے ہیں تو پھر آپ اُن صاحب کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہ چھوڑتے تھے۔

حضرت علّامہ مولانا الحاج شاہ سیّد آلِ مصطفیٰ میاں صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ برکاتیہ سرکار کلاں مارہرہ مطہرہ وصدر آل انڈیا سُنّی جمعیۃ العلماءؔ فرماتے ہیں:

"میں نے اس بات پر بہت ہی غور کیا کہ حضور اعلیٰ حضرت مجدّدِ اعظمِ دین وملّت قدس سرّہ العزیز ہر فضیلت وکرامت کے حامل تھے اوران کی ذاتِ بابرکات مظہرِ ذات وصفاتِ سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو پٹھان قوم میں کیوں پیدا فرمایا؟ سادات میں کیوں نہیں پیدا فرمایا تو سمجھ میں یہ آیا کہ اگر وہ سیّد ہوتے اور سیّد ہو کر سیّدوں کا ادب واحترام اس شان وبان سے فرماتے، ان کی تعظیم وتوقیر کا خطبہ اس طرح پڑھتے تو منافقین یہ کہہ سکتے تھے کہ میاں اپنے مُنہ اپنی تعریف کر رہے ہیں اور اپنی تعظیم وتوقیر کروانے کی غرض سے یہ طریقہ اپنا رہے ہیں لہٰذا ربِ تعالیٰ جل جلالہ کی یہ حکمت ظاہر ہوئی کہ سادات میں ان کو نہ پیدا فرما کر اعدائے دین کا روزِ قیامت تک کے لئے لئے مُنہ بند فرمادیا۔"

(تجلّیاتِ امام احمد رضاؔ۔ از: الحاج قاری محمد امانت رسول قادری برکاتی رضوی۔ ص:۸۲)

اعلیٰ حضرت اپنے ملفوظات میں اِس سوال کے جواب میں کہ کیا سادات

کے بچے کو استاد تادیباً سزا دے سکتا ہے؟ فرماتے ہیں:

"قاضی جو حدودِ الٰہیہ قائم کرنے پر مجبور ہے اُس کے سامنے کسی سیّد پر حد ثابت ہوئی تو باوجود یہ کہ اس پر حد لگانا فرض ہے اور وہ حد لگائے گا لیکن اس کو حکم ہے کہ سزا دینے کی نیّت نہ کرے بلکہ دل میں یہ نیّت رکھے کہ شہزادے کے پیر میں کیچڑ لگ گئی ہے اُسے صاف کر رہا ہوں۔"

(المیزان، امام احمد رضا نمبر۔ مضمون، امام احمد رضا شخصی جائزہ۔ از پروفیسر مختار الدین احمد۔ ص:۳۳۶)

اعلیٰ حضرت کے مذکورہ بیان سے ساداتِ کرام سے آپ کی دلی عقیدت اور احترام کا یہاں تک اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شرع میں حد لگ جانے کے باوجود سادات سے عام سلوک کرنے سے احتراز کرتے تھے اس لئے کہ وہ ساداتِ کرام کو سرکارِ دو عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کا جزو تصوّر فرماتے تھے اور اس اعتقاد کے پیشِ نظر یہ سمجھتے تھے کہ ان کی جتنی تعظیم وتوقیر کی جائے کم ہے۔

اولیائے کرام کا احترام آپ کے مسلک کا جزوِ خاص تھا۔ آپ اولیائے کرام کے اعراس میں شریک ہونے، اُن سے فیض حاصل کرنے کو مستحب جانتے اور اُن کے آگے سرِ نیاز خم کرنے کو تزکیۂ نفس کے لئے ضروری قرار دیتے تھے۔ اولیائے کرام سے گہری عقیدت اور احترام کا نتیجہ تھا کہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مُرادآبادی نے اعلیٰ حضرت کو دیکھ کر یہ پیش قیاسی فرمائی تھی:

"اس نوجوان عالم کا آفتابِ ولایت ایک وقت طلوع ہو کر چمکے

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

گا اور اپنی نورانیت سے عالم کو منور فرمائے گا۔"

(تجلیاتِ امام احمد رضا۔ از: الحاج قاری محمد امانت رسول قادری برکاتی رضوی۔ ص: ۳۲)

اعلیٰ حضرت کو بارگاہِ قادریت سے وہ عقیدت و اُلفت تھی جو ایک سچے قادری کا حق ہے اور اس سرکار کی وہ عظمت و عزت آپ کے پیشِ نظر تھی جو حضور غوثیت مآب کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سمجھ میں آتی ہے۔ اس کا اندازہ اِس ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ جس میں فاتحۂ غوثیہ کی شیرینی کا احترام آپ نے جس انداز سے فرمایا تھا۔ مخدوم المِلّت حضور محدثِ اعظمِ ہند رحمۃ اللہ علیہ اپنے مضمون "امام احمد رضا مجددِ اعظم" میں لکھتے ہیں:

"دوسرے دن کارِ افتا پر لگانے سے پہلے خود گیارہ روپے کی شیرینی منگائی، اپنے پلنگ پر مجھ کو بٹھا کر اور شیرینی رکھ کر فاتحۂ غوثیہ پڑھ کر دستِ کرم سے شیرینی مجھ کو بھی عطا فرمائی اور حاضرین میں تقسیم کا حکم دیا کہ اچانک اعلیٰ حضرت پلنگ سے اُٹھ پڑے، سب حاضرین کے ساتھ میں بھی کھڑا ہو گیا کہ شاید کسی شدید حاجت سے اندر تشریف لے جائیں گے لیکن حیرت بالائے حیرت یہ ہوئی کہ اعلیٰ حضرت زمین پر اُکڑوں بیٹھ گئے، سمجھ میں نہ آیا کہ کیا ہو رہا ہے۔ دیکھا تو یہ دیکھا کہ تقسیم کرنے والے کی غفلت سے شیرینی کا یک ذرّہ زمین پر گر گیا تھا اور اعلیٰ حضرت اس ذرّے کو نوکِ زبان سے اُٹھا رہے ہیں اور پھر اپنی نشست گاہ پر بدستور تشریف فرما

ہوئے۔ اس واقعے کو دیکھ کر سارے حاضرین سرکارِ غوثیت کی عظمت و محبت میں ڈوب گئے اور فاتحۂ غوثیہ کی شیرینی کے ایک ایک ذرّے کے تبرک ہو جانے میں کسی دوسری دلیل کی حاجت نہ رہ گئی۔"

(المیزان، امام احمد رضا نمبر۔ مضمون۔ امام احمد رضا مجددِ اعظم۔ از۔ محدثِ اعظمِ ہند۔ ص: ۲۴۸)

اعلیٰ حضرت کو سرکارِ غوثیت سے اِس سچی محبت و عقیدت کا جو ثمرہ نصیب ہوا اس سے متعلق خود فرماتے ہیں:

"ایک بار میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت والد ماجد کے ساتھ ایک نفیس اور اونچی سواری ہے۔ حضرت والد ماجد نے کمر پکڑ کر مجھے سوار کیا اور فرمایا کہ گیارہ درجے تک تو ہم نے پہنچا دیا، آگے اللہ مالک ہے، میرے خیال میں اس سے سرکارِ غوثیت کی غلامی مُراد ہے۔"

(المیزان، امام احمد رضا نمبر۔ مضمون امام احمد رضا سواحی خاکہ۔ از حافظ موسیٰ اسمٰعیل۔ ص: ۳۶۲)

اعلیٰ حضرت کو قطب ربانی محبوبِ سبحانی سیّد شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ اقدس سے جو بے پناہ عشق اور والہانہ لگاؤ تھا اس کا اظہار اشعار میں دیکھئے۔ آپ نے کس خوبی سے فرمایا ہے:

قادری کر، قادری رکھ، قادریوں میں اُٹھا
قدر عبد القادرِ قدرت نما کے واسطے

کہا تُو نے کہ جو مانگو ملے گا
رضا تجھ سے ترا سائل ہے یا غوث

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا
اولیا ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

کیا دبے جس پہ حمایت کا ہو پنجہ تیرا
شیر کو خطرے میں لاتا نہیں کتا تیرا

مری قسمت کی قسم کھائیں سگانِ بغداد
ہند میں بھی ہوں تو دیتا رہوں پہرا تیرا

"یہ صرف شاعرانہ دعویٰ نہیں بلکہ حقیقت بھی یہی ہے کہ انہوں نے ناموسِ غوثیت کی حفاظت اور فضائلِ قادریت کے اظہار و اعلان میں کوئی فروگذاشت روا نہ رکھی۔ وہ ان کی محبت میں اعدا کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے، البتہ دوستوں کے اعتقاد و اعتماد کی حفاظت کی خاطر ہر اعتراض کا شافی جواب دینا فرض سمجھتے تھے۔"

(امام احمد رضا اور تصوف۔ از مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی۔ ص:۹۴)

مخدوم الملت حضور محدثِ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اعلیٰ حضرت غوثِ پاک کے ہاتھ میں چوں قلم در دستِ کاتب تھے جس طرح کہ غوثِ پاک سرکارِ دو عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں چوں قلم در دستِ کاتب تھے۔"

(المیزان، امام احمد رضا نمبر۔ مضمون، امام احمد رضا مجددِ اعظم، از۔ محدثِ اعظم ہند۔ ص:۲۴۸)

پیر شاہ جی میاں شرقپوری نقشبندی کو سرکار غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ شاہ جی میاں نے دریافت کیا حضور اس وقت دنیا میں آپ کا نائب کون ہے؟ سرکار غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا "بریلی میں مولانا احمد رضا"۔ غرض اعلیٰ حضرت کا سرکارِ غوثیت سے والہانہ عشق آپ کے سلوک کی وہ منزل ہے جہاں سے آپ کی منزل قریب سے قریب تر ہو جاتی ہے یعنی آپ فنا فی الرسول کی منزل سے قریب ہو جاتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں اس طرح سرشار تھے کہ آپ کی زندگی کا ہر لمحہ ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کٹتا تھا گویا عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی زندگی کا وہ عظیم سرمایہ تھا جو آپ کو جان و مال اور عزیز و اقارب سے زیادہ عزیز تھا۔

تصوف میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر صوفی کے عشق کی تپش، سوز، جذبات، وارداتِ قلب اور ولولوں کو تصوف سے الگ کر دیا جائے تو پھر تصوف بے کیف اور بے بصیرت علم ہو کر رہ جائے گا، مسائلِ تصوف کی بحث ایک نہایت خشک اور فلسفیانہ بحث ہے لیکن جب یہی بحث صوفی کے جذبۂ عشق سے تعلق پیدا کر لیتی ہے تو اس میں کیف و سرور اور سرمستی پیدا ہو جاتی ہے، پھر یہی بصیرت افروزی دلوں کو مسخر کر لیتی ہے جس کو یہ مسخر کر لیتی ہے اس کے دل میں عشقِ رسول کی آگ پیدا کر دیتی ہے۔

"رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد بھی یہی ہے کہ ان کی ذاتِ

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

والا صفات کو اُن کا اُمتی اپنے ماں باپ، بیوی بچوں اور مال ومتاع سے زیادہ عزیز رکھتا ہو۔ بزرگانِ دین کی زندگیوں پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کا مقصدِ حیات صرف اور صرف عشقِ رسول ہی تھا۔ یہی وہ مرکز ہے جس سے مسلمانوں نے تقریباً ایک ہزار برس تک اس دنیا میں اپنا اقتدار رکھا اور آج بھی ان کی برتری کا راز اِسی مرکز سے وابستگی میں مضمر ہے۔

حضرت امام بریلوی کی زندگی کا اعلیٰ مقصد عشقِ رسول ہی ہے اور حُبِّ مصطفیٰ ہی آپ کی حیات کا مظہر ہے۔ تادمِ حیات آپ کی ظاہری و باطنی زندگی میں عشقِ نبوی کی روشنی برابر جگمگا رہی تھی جہاں تک آپ کی ظاہری و باطنی زندگی کا تعلق ہے آپ نے علومِ دینیات، علمِ تفسیر اور علمِ حدیث کی تکمیل صرف چودہ سال کی عُمر میں کی تھی۔ کم سِنی میں مذکورہ علوم کی تکمیل نے اللہ جل مجدہ اور اس کے پیارے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق آپ کے دل میں جاگزیں کر دیا تھا۔ علاوہ بریں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو ورثے میں بھی ملا تھا۔ آپ کے اجداد و اسلاف میں اولیائے کرام کے نام ہی آتے ہیں جس کا ذکر آپ کی ظاہری زندگی پر نظر آتا ہے۔"

(المیزان، امام احمد رضا نمبر۔ مضمون، ایشیا کا عظیم محقق۔ از مولانا عبدالکریم نعیمی۔ ص: ۳۵۹، ۳۶۰)

اعلیٰ حضرت کی باطنی زندگی ظاہری زندگی کے نور کا سرچشمہ تھی جس میں عشق

اور سوزِ عشق کے سوا کچھ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عشق کے جذبے ہی سے کمالِ ولایت میں آب وتاب پیدا ہوتی ہے۔ صوفی کے یہاں خالقِ کائنات کے حُسن یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسن کی طرف رغبت زیادہ رہتی ہے اور دنیا اور اس کے مناظر، انسان اور دیگر مخلوقات کی طرف یہ رغبت نسبتاً کم ہوتی ہے۔ اگر یہ رغبت کبھی زیادہ بھی دکھائی دیتی ہے تو اِس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ یہ دنیا اور اِس کی رہنے بسنے والی مخلوقات دراصل اُسی خالق کے حُسن کا پرتَو ہیں گویا اُن سے رغبت و محبت حُسنِ حقیقی سے رغبت و محبت مُراد ہوتی ہے۔ صوفیا کا عشق خالص ادراک اور تصوریت پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ ادراک کشف و مراقبے سے اور ریاضت و مجاہدے سے حاصل ہوتا ہے اور جب ادراک حاصل ہوتا ہے تو تصوریت کی حدیں وسیع سے وسیع تر ہو جاتی ہیں اور پھر اُسے یہ ساری کائینات اپنے محبوب کے حُسن کا مظہر معلوم ہونے لگتی ہے۔

صوفیائے کرام کے نزدیک "حُسن" معروضی اور موضوعی دونوں حیثیتیں رکھتا ہے لہٰذا وہ اس کے خارجی اور داخلی دونوں پہلوؤں کو اہم قرار دیتے ہیں۔ خارج میں حُسن کا مشاہدہ کرنا حُسن کو معروضی انداز میں دیکھنا ہے اِس سے حُسنِ مطلق کے متعلق ادراک پیدا ہوتا ہے گویا یہ کائینات صوفی کے لئے عرفانِ حُسنِ حقیقی کی تجربہ گاہ ہے۔ جہاں صوفی اپنے عشق کی بدولت حُسن کی صداقت کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔

"حضرت خواجہ بندہ نواز رحمتہ اللہ علیہ نے شریعت سے لے کر طریقت تک تمام منازل میں عشق کو لازمی اور بنیادی قرار دیا ہے۔ وہ شریعت کے معنی وصف، جمالِ محبوب کا سینہ قرار دیتے

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

ہیں تا کہ شوق پیدا ہو۔طریقت یعنی محبوب کی طلب و آرزو میں
راہِ محبوب کی طرف بڑھنا۔حقیقت یعنی معشوق کے حضور میں
ہمیشہ اپنے کو موجود پانا۔معرفت کی منزل وہ ہے جس میں پہنچ
کر عاشق اپنی تمام خواہشات کو معشوق کی خواہشات میں محو کر
دے۔وحدت آخری مرتبہ ہے۔''

(رموزِ عشق۔از ڈاکٹر میر ولی الدین۔ص:۱۱۵ تا ۱۱۶)

اعلیٰ حضرت کا مسلک بھی صوفیائے کرام کی طرح مسلکِ وحدت الوجود ہی تھا۔ہر چند آپ نے اس کی وضاحت نہیں فرمائی۔آپ کا خیال تھا کہ یہ مسئلہ اس قدر پیچیدہ ہے کہ جس کی وضاحت قلم نہیں کرسکتا، یہ تو صرف صاحبِ عمل ہی کا حصہ ہے۔اصحابِ علم اس سے قطعاً محروم ہیں اس لئے اس پر کسی نے روشنی نہیں ڈالی۔ قرآن نے بھی اس طرح اشارہ فرمایا''فاینما تولوثم وجہ اللہ''(ترجمہ: جدھر توجہ کرو دیدارِ محبوب (خدا) ملے گا) ایک عاشقِ صادق اور عارفِ صمدانی ہی اس کے اسرار و رموز کو جانتا، پہچانتا، محسوس کرتا اور لُطف اندوز ہوسکتا ہے اور ساری کائینات کو وہ اپنے محبوب کی مِلکیت اور ہر شئے پر محبوب کی حکومت اور ہر شئے محبوب کے لئے ہی تصوّر کرنے، دیکھنے اور محسوس کرنے لگتا ہے۔اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''حضور ساری زمین کے مالک ہیں، حضور سب آدمیوں کے مالک
ہیں، حضور تمام اُمتیوں کے مالک ہیں، دنیا کی ساری مخلوق حضور کے
قبضے میں ہے۔مدد کی کنجیاں حضور کے ہاتھ میں ہیں، نفع کی کنجیاں

حضور کے ہاتھ میں ہیں، جنت کی کنجیاں حضور کے ہاتھ میں، دوزخ
حضور کے ہاتھ میں ہے، آخرت میں عزّت دینا حضور کے ہاتھ میں
ہے۔قیامت میں اختیار حضور کے ہاتھ ہے، حضور مصیبتوں کو دور
فرمانے والے ہیں، حضور سختیوں کو ٹالنے والے ہیں۔''

(المیزان، امام احمد رضا نمبر۔مضمون، تعلیماتِ تصوّف۔از جناب اعجاز مدنی۔ص:۲۲۱)

اعلیٰ حضرت کی یہ نعتِ شریف دیکھئے جس میں مذکورہ بالا خیالات کو آپ نے خوب صورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔

زمین و زماں تمہارے لئے مکین و مکاں تمہارے لئے
چُنین و چناں تمہارے لئے بنے دو جہاں تمہارے لئے

دہن میں زباں تمہارے لئے بدن میں ہے جاں تمہارے لئے
ہم آئے یہاں تمہارے لئے اُٹھیں بھی وہاں تمہارے لئے

کلیم و نجی مسیح و صفی خلیل و رضی رسول و نبی
عتیق و وصی غنی و علی ثنا کی زباں تمہارے لئے

رسالتِ کُل امانتِ کُل سیادتِ کُل امارتِ کُل
حکومتِ کُل ولایتِ کُل خدا کے یہاں تمہارے لئے

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

تمہاری چمک تمہاری دمک تمہاری جھلک تمہاری مہک
زمین و فلک سماک و سمک ہیں سکّہ نشاں تمہارے لئے

وہ کنزِ نہاں یہ نورِ فشاں وہ کن سے عیاں یہ بزمِ فکاں
یہ ہر تن و جاں یہ باغِ جناں سارا سماں تمہارے لئے

یہ شمس و قمر یہ شام و سحر یہ برگ و ثمر یہ باغ و شجر
یہ تیغ و سپر یہ تاج و کمر یہ حُکمِ رواں تمہارے لئے

جناں میں چمن چمن میں سمن سمن میں پھبن پھبن میں دُلہن
سزائے محن ایسے منن یہ امن و اماں تمہارے لئے

عطائے ادب مَلائے کرب فیوضِ عجب بغیرِ طلب
یہ رحمتِ رب ہے کس کے سبب یہ ربِّ جہاں تمہارے لئے

صبا وہ چلے کہ باغ پھلے وہ پھول کھلے کہ دن ہو بھلے
لِوا کے تلے ثنا میں کُھلے رضا کی زباں تمہارے لئے

اعلیٰ حضرت نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام، علم و اختیار سے متعلق جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے اُس پر ایک نظر ڈال لیں تا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ ایک عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر و نظر کیسی اور کتنی بلند ہوتی ہے۔

''مقامِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ و الثنا سے متعلق امام احمد رضا قدس سرّہ نے اپنی تصانیف میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اہلِ نظر کے یہاں حقیقتِ محمدیہ وجوب و امکان کے درمیان برزخِ کبریٰ ہے۔

وہ فرماتے ہیں:

جس طرح مرتبۂ وجود میں صرف ذاتِ حق ہے باقی سب اسی کے پرتوِ وجود سے موجود..... یوں ہی مرتبۂ ایجاد میں صرف ایک ذاتِ مصطفیٰ ہے باقی سب پر اسی کے عکس کا فیض موجود، مرتبۂ کونی میں نورِ احمدی آفتاب ہے اور تمام عالَم اس کے آئینے.....اور مرتبۂ تکوین میں نور احمد ہی آفتاب اور سارا جہاں اس کے آبگینے.....

وفی ہٰذا اقول

نورِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جس طرح عالَم اپنی ابتدا وجود میں محتاج تھا کہ وہ نہ ہوتا کچھ نہ بنتا۔ یوں ہی ہر شئے اپنی بقا میں اس کی دست نگر ہے۔ آج اس کا قدم درمیان سے نکال لیں تو عالَم دفعتاً فنائے محض ہو جائے۔''

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

(امام احمد رضا اور تصوف۔از محمد احمد اعظمی مصباحی۔ص:۲۳)

''علمِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی اعلیٰ حضرت نے عُرفا اور صوفیا کا مسلک اختیار فرمایا ہے۔وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مَا کَانَ وَمَا یَکُوْن کا عالم مانتے ہیں اور اصحابِ معرفت سے اس پر بہت سے دلائل اپنی تصانیف ''خالص الاعتقاد'' ''الفیوضات الملکیہ'' وغیرہ میں پیش کرتے ہیں۔آپ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کے قائل تھے اور یہ راسخ عقیدہ رکھتے تھے کہ آقائے کائنات علیہ التحیۃ والثنا اپنے اُمتیوں کے دلی ارادوں، نیتوں اور عزائم وخطرات سب سے آگاہ ہیں، اس میں سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات و وصال کا کچھ فرق نہیں۔آپ نے اس خیال کو متعدد مقامات پر اکابر علماء کے حوالوں سے ذکر فرمایا ہے۔''

(امام احمد رضا اور تصوف۔از محمد احمد اعظمی مصباحی۔ص:۲۷،۲۸)

اختیارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اعلیٰ حضرت عُرفا و کاملین کے مسلکِ راست پر سختی سے گامزن تھے۔آپ کا بیان ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے خلیفۂ اعظم ہیں کہ حق جل وعلا نے اپنے کرم کے خزانے اپنی نعمتوں کے خوان سب ان کے ہاتھوں مطبع، ان کے ارادے کے زیرِ فرمان کر دیئے جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں۔''

(امام احمد رضا اور تصوف۔ از مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی۔ص:۲۹)

وہ متعدد اکابر سے اسے نقل فرماتے ہیں اور اس پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ جو شخص ہر حال میں اپنے آپ کو رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مِلک سمجھے وہ سُنّتِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حلاوت سے آشنا ہو۔

''حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر فضل و کمال کے اہل اور حضور سے زائد اللہ عز و جل کو کوئی محبوب نہیں۔لازم ہے کہ الوہیت کے نیچے جتنے فضائل جس قدر کمالات جتنی نعمتیں جس قدر برکات ہیں مولیٰ عزوجل نے سب اعلیٰ درجۂ کمال پر حضور کو عطا فرمائیں۔''

(امام احمد رضا اور تصوف۔از مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی۔ص:۳۱)

اعلیٰ حضرت اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال وجلال اور کمال ونوال سے اِس قدر آگاہ تھے کہ آپ کی فکر ونظر کا اندازہ ہر گس وناکس سے ممکن نہیں۔اسی آگہی کا نتیجہ تھا کہ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے دل کی بے تابی اور جذبۂ تعظیم کی مثال نہیں ملتی۔ذیل کے اشعار پر نظر ڈالئے اور اندازہ لگائیے کہ یہ کیفیت سوائے عاشقِ صادق کے کیا کسی غیر کے دل میں پیدا ہو سکتی ہے۔

پیشِ نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار
روکئے سر کو روکئے ہاں یہی امتحان ہے

نہ ہو آقا کو سجدہ، آدم و یوسف کو سجدہ ہو
مگر سدِّ ذرائع داب ہے اپنی شریعت کا

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

اے شوقِ دل یہ سجدہ گر اُن کو روا نہیں
اچھا وہ سجدہ کیجئے کہ سر کو خبر نہ ہو

اعلیٰ حضرت کے وجد و شوق اور جذبۂ فدائیت کا یہ عالَم تھا کہ آپ اُس دل کو دل ہی نہیں جانتے جو یادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور نہ ہو اور اُس سر کو سر ہی تسلیم نہیں کرتے جو آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر قربان نہ ہو، فرماتے ہیں:

دل ہے وہ دل جو تری یاد سے معمور رہا
سر ہے وہ سر جو تیرے قدموں پہ قربان گیا

اعلیٰ حضرت کے دلِ دیوانہ کی آخری تمنا بھی دیکھئے کہ کتنی حسین اور قابلِ رشک ہے۔

یاالٰہی جب رضاؔ خوابِ گراں سے سر اُٹھائے
دولتِ بیدارِ عشقِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو

اللہ اللہ! اس جذب و مستی، سرشاری و وارفتگی پر تو ایک عالَم ہی نہیں بلکہ ایسے کروڑوں جہاں قربان کئے جا سکتے ہیں۔ اس شعر کے والہانہ انداز، ایمان افروز دیوانگی اور ذوقِ فدائیت کا اندازہ لگائیے، دیکھئے کہ عشق کس قدر شباب پر ہے۔

حشر میں کیا کیا مزے وارفتگی کے لوں رضاؔ
لوٹ جاؤں پاکے وہ دامانِ عالی ہاتھ میں

عشق کے معنی یہاں طبعی میلان کے نہیں بلکہ یہ وہ وجدان ہے جو عاشق کے پورے وجود پر مسلّط رہتا ہے۔ ہر دم، ہر گھڑی اُسے مست و سرشار رکھتا ہے۔ عشق ہی

انسان کے حقیر وجود کو برتر اور عظیم بنا دیتا ہے لہٰذا عشق تربیت روح و جسم کے لئے ضروری ہے۔

صوفیائے کرام کے نزدیک عشق ہی اس دنیا کے وجود میں کارفرما ہے اور مظاہرِ کائنات میں سوائے عشق کے کچھ بھی نہیں ہوئی ہے۔ تمام صوفی عشق کو ایک محرّک قوّت سمجھتے ہیں جس کے بغیر اس کون و مکان کی کسی تحریک کا تصوّر ممکن نہیں۔ چونکہ صوفیا جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالَم کی تخلیق خود اپنے حُسن و جمال سے عشق کرنے کے لئے کی ہے لہٰذا اس عالَم کی تخلیق کی بنیاد ہی عشق ہے۔

عشق میں گہرائی اور سنجیدگی صرف معشوق کی خوب صورتی پر فکر کو مرکوز کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ فکر عاشق کو عرفانِ عشق کی منزل تک لے جاتی ہے جہاں اس کی ذات پر حُسنِ حقیقی کا ادراک ہوتا ہے اور وہ یہ جان لیتا ہے کہ حُسنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ آئینہ ہے جس میں جمالِ حقیقی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ فرما ہے۔ اس بات کو ایک حدیث میں اس طرح واضح کیا گیا ہے کہ اللہ خوب صورت ہے اور خوب صورتی کو چاہتا ہے۔ "اللہ جَمِیل" ویُحِبُّ الجمال۔ اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ اللہ جل شانہ اپنی ذات میں حُسنِ مطلق ہے مکمل اور لافانی، ازلی اور ابدی۔ اس نے اپنے نور سے نورِ محمدی کی تخلیق فرمائی اور اس نور سے کُل کائنات تخلیق کی تو پھر کُل کائنات حُسنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پرتَو ہے۔ عاشق جب اس حقیقت کو محسوس کرتا ہے، جانتا ہے اور دیکھنے لگتا ہے تو وہ اپنے آپ سے بے خبر ہو جاتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے لئے جمالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم متاعِ حیات تھا۔ وہ اپنی

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

اس متاعِ حیات سے ایک عالَم کو روشن و تابناک بنا دینا چاہتا تھے۔ آپ کا کلام جمالِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قصیدہ ہے جس کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں نذرانۂ رضا سمجھا جانا چاہئے۔ کلام کے مطالعے سے جو خاص بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت جمالِ پیکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور زبان رطب اللسان ہے۔ جمالِ حضورِ اقدس کے باعث جو انبساط حاصل ہوا ہے اس نے اعلیٰ حضرت کو اپنے وجود سے بے خبر کر دیا ہے۔ یہی فنا فی الرّسول کی منزل ہے۔

حضرت مولانا مفتی سیّد حامد جلالی دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

"وہ (اعلیٰ حضرت) فنا فی عشقِ رسولِ کریم تھے۔ اپنے محبوب کی شان میں ادنیٰ گستاخی بھی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ اگر ان کے عشق کے سمندر کا ایک قطرہ بھی ہمیں میسّر ہوتا ہے تو ہم اُسے عین حقیقت اور اُلفت و مودّت کہتے۔"

(امام احمد رضا رد بدعات و منکرات۔ از یٰسن اختر مصباحی۔ ص:۱۲۲)

اعلیٰ حضرت کی ساری زندگی عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف تھی۔ آپ نے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں خود کو غرق کر دیا تھا۔ آپ کے یہاں یہی عشق وجدانی طاقت تھا جو آپ کی ساری زندگی پر چھایا ہوا تھا۔ آپ اِس کے بغیر زندگی کا تصوّر ہی نہیں کر سکتے تھے۔ آپ نے اپنے وجود کے ہر تار کو عشق کے نغمے سے جوڑ دیا تھا۔ آپ عاشقِ رسول تھے اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ میں وہ تسخیری قوّت پیدا کر دی تھی کہ ذات میں انجمن نظر آتے تھے۔ آپ کے ہاں جو اندازِ

عشق نظر آتا ہے وہ شریعت سے بعید نہیں بلکہ مثالی ہے۔ آپ کے نزدیک حُسن کی آگہی اور عشق کا ادراک رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی اور صفاتی تجلّیات کے مشاہدے کی بدولت تھا۔ اِس مشاہدے سے کیفیات آپ کے قلب پر گذرتی تھیں اور یہی مشاہدہ آپ کے عشق کا حاصل تھا۔

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک نہایت ہی نازک اور اعلیٰ و ارفع معاملہ ہے۔ اعلیٰ حضرت بھی عشق میں وحدت کے قائل تھے اور اس وحدت کو آپ نے حُسنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں پالیا تھا۔ جمالِ باریٔ تعالیٰ کی کثرت تو ہر جگہ نظر آتی ہے مگر عاشق تو اس کو کسی ایک ذاتِ بالصفات ہی میں پانے کی تمنّا کرتا ہے اور اعلیٰ حضرت نے جمالِ باریٔ تعالیٰ کو ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں پالیا تھا۔ چنانچہ روزِ ازل سے ابد تک حقیقی خوبیاں، کامیابیاں، کامرانیاں اور نیک نامیاں وغیرہم، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے منسوب ہیں۔ اس لئے بھی کہ ساری کائینات آپ ہی کے نور کا ادنیٰ پرتَو ہے اور ساری کائینات چاہے وہ عرش ہو یا فرش آپ ہی کے زیرِ نگیں ہیں۔ آپ ہر دو عالَم کے سرکار ہیں، آپ کے سوا نہ کوئی حاکم ہے نہ کوئی آقا اور نہ کوئی سرکار۔ اعلیٰ حضرت اپنے آقا کے سوا کسی بڑی سی بڑی حکومت کے آگے جھکنے کو تیار نہ تھے۔ کسی نے انگریز گورنمنٹ کو سرکار کہہ دیا تو غیرتِ عشق پُکار اُٹھی اور فرمایا، "حیرت ہے کہ دنیا والوں کو کیا ہو گیا ہے کہ میرے آقا کے ہوتے ہوئے اپنی دنیا کے تاجداروں کو آقا کہہ رہے ہیں۔"

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

کیا بھول ہے اُن کے ہوتے کہلائیں
دنیا کے یہ تاجدار آقا

بجز سرکار سرکار را ایجاد
سروکارے بہ سرکارے ندارم (رضا)

اُن کے ادنیٰ گدا پہ مِٹ جائیں
ایسے ایسے ہزار آقا

"یہ بھی ان کی غیرتِ عشق ہی کا نتیجہ ہے کہ اگر مدح کی ہے تو صرف اپنے آقا کی یا اُن کے آل واصحاب کی، اُن کے اولیاً اور علماً کی، کسی غیر سے انہیں نیازمندانہ تعلقِ خاطر کبھی نہ ہوسکا۔"

پچھلے صفحات میں ہم نے اعلیٰ حضرت کے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ صوفیائے کرام کے نظریات کی روشنی میں کیا ہے۔ اب ایک نظر آپ کے صبح و شام پر بھی ڈال لیں تا کہ یہ بات واضح ہوجائے کہ ایک عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صبح وشام کس قدر اپنے محبوب کی اطاعت واتباع، ذکر وفکر اور سُپردگی ووارفتگی میں گذرتے تھے اور وہ کس قدر احیائے دین وسُنّت اور ناموسِ رسالت کی حفاظت میں لگے رہتے تھے۔

اعلیٰ حضرت کے یہاں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک جذبہ یا

وجدان ہی نہیں بلکہ زندگی کا طور بھی ہے اور چلن بھی۔ وہ اسی عشق کے راستے پر گامزن رہ کر اپنی ذات کو بہ حیثیت صوفی، شاعر، فقیہ، مجدد اور محدث کے مکمل کرنے میں کامیاب رہے۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی آپ کے مذکورہ سارے مناقب و فضائل کا راستہ ہموار کرتا تھا۔ اس عشق نے جہاں آپ کو آدابِ زندگی سے ہمکنار کیا تھا وہیں تخلیق، تبلیغ اور اصلاح کے جواہر سے بھی مالا مال فرمایا تھا۔ یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اعلیٰ حضرت کے فکر وعمل اور نظر ونظریات عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگے جاچکے تھے اور آپ ہر ایک کو اِسی رنگ میں رنگا ہوا دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ کے اس گہرے اور سچے عشقِ رسول سے سرِ مو تجاوز نہیں کیا جاسکتا جس کی سچائی اور حقیقت کے معترف اپنے تو اپنے غیر بھی دکھائی دیتے ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی کا بیان ہے:

"میرے دل میں احمد رضا کا بے حد احترام ہے۔ وہ ہمیں کافر کہتا ہے لیکن عشقِ رسول کی بنا پر کہتا ہے کسی اور غرض سے تو نہیں۔"

(امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں۔ از یٰسن اختر مصباحی۔ ص:۹۰۱)

اعلیٰ حضرت کے روز وشب کا مطالعہ کریں تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ وہ ایک باعمل صوفی تھے۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عبادتِ الٰہی کا جو عملی نمونہ آپ نے پیش کیا ہے وہی آپ کے صوفی کامل ہونے کی دلیل ہے۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شخصیت کا تقدس جس قدر بلند ہوجاتا ہے اسی طرح عبادتِ الٰہی سے اس میں کیف وسرمستی، سُرور وآگہی ایک ساتھ جمع ہوجاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت صوفیانہ

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

مسلک کی نزاکتوں اور لطافتوں کا بہ خوبی شعور رکھتے تھے۔ شریعت اور طریقت آپ کے نزدیک دو الگ الگ مورچے نہیں تھے بلکہ ایک ہی سکّے کے دو رُخ تھے۔ شریعت کا ترک کرنے والا آپ کی نظر میں صوفی نہیں ہوسکتا تھا۔

صوفی کے لئے عشق آزار نہیں بلکہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سُرور ہوتا ہے۔ عشق اس کے لئے جزوِ ایمان بلکہ ایمان ہوتا ہے۔ وہ عشق کو حیات بخش اور حیات افروز تصوّر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک عام مذہبی عالم میں اور صوفیٔ باصفا میں فرق پایا جاتا ہے۔ عالم عشق کی نزاکتوں اور لطافتوں سے بے بہرہ ہوتا ہے، وہ اصولِ شریعت کا پاسدار ہوتا ضرور ہے لیکن عشق و ایثار کی سرحدوں تک اس کی رسائی ممکن نہیں۔ برخلاف اس کے ایک صوفی تقویٰ وطہارت کے ساتھ شریعت وطریقت کی راہوں سے عشق و ایثار کی شمع اس طرح روشن کرتا ہے کہ جس کی روشنی سے ایک عالَم منوّر وتاباں ہوجاتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کی عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ایثار وقربانی کا جذبہ دیکھئے کہ جب مسلمانوں کے دلوں سے محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کم کرنے کی اور عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گھٹانے کی کوششیں کی جانے لگیں اور ایسا لٹریچر پھیلایا جانے لگا جس میں عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدّس پر کیچڑ اُچھالا جارہا تھا بلکہ نئے نئے نبی پیدا ہونے لگے تھے اور ختمِ نبوّت کے نظریے پر ضرب لگائی جانے لگی تھی تو آپ نے ناموسِ رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ التحیۃ کی حفاظت کے لئے اپنی ہر چیز کو سپر بنادیا تھا، کیا مال ودولت، کیا عزیز واقارب اور کیا اپنی جان وعزّت۔ اس صوفیٔ باصفا، سچے

عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبۂ ایثار دیکھئے، فرماتے ہیں:

"واللہ العظیم وہ بندۂ خدا بہ خوشی راضی ہے اگر یہ دشنامی حضرات بھی اس بدلے پر راضی ہوں کہ اللہ ورسول (جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی جناب میں گستاخی سے باز آئیں اور یہ شرط لگائیں کہ روزانہ اس بندۂ خدا کو پچاس ہزار مغلظ گالیاں سُنائیں اور لکھ لکھ کر شائع فرمائیں۔ اگر اس قدر پر پیٹ نہ بھرے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی سے باز رہنا اس شرط پر مشروط رہے کہ اس بندۂ خدا کے ساتھ اس کے باپ دادا، اکابر، علمائے قدست اسرارہم کو بھی گالیاں دیں تو ایں ہم برعلم۔

اے خوشا نصیب اس کا کہ اس کی آبرو، اس کے آبا و اجداد کی آبرو، بدگویوں کی بدزبانی سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آبرو کے لئے سپر ہوجائے۔

یہی وجہ ہے کہ بدگو حضرات اس بندۂ خدا پر کیا کیا طوفان، بہتان اس کے ذاتی معاملات میں اُٹھاتے ہیں، اخباروں، شتہاروں میں طرح طرح کی گڑھتوں سے کیا کیا خاکے اُڑاتے ہیں مگر وہ اصلاً قطعاً نہ اس طرف التفات کرتا نہ جواب دیتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے جو وقت مجھے اس لئے عطا ہوا کہ بعونہ تعالیٰ عزّتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حمایت کروں، حاشا کہ اسے اپنی ذاتی حمایت میں ضائع

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

ہونے دوں، اچھا ہے کہ جتنی دیر مجھے بُرا کہتے ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بدگوئی سے غافل رہتے ہیں۔"

(امام احمد رضا اور تصوّف۔ از مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی۔ ص:۴۲تا۴۳)

ایک بار حضرت صدر الافاضل مولانا سیّد نعیم الدین صاحب مُرادآبادی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ حضور کی کتابوں میں وہابیوں، دیوبندیوں اور غیر مقلّدوں کے عقائدِ باطلہ کا ردّ ایسے سخت الفاظ میں ہوا کرتا ہے کہ آج کل جو تہذیب کے مدّعی ہیں وہ چند سطریں دیکھتے ہی حضور کی کتابوں کو پھینک دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اِن کتابوں میں تو گالیاں بھری ہیں اور اس طرح وہ حضور کے دلائل و براہین کو بھی نہیں دیکھتے اور ہدایت سے محروم رہ جاتے ہیں لہٰذا اگر حضور نرمی اور خوش بیانی کے ساتھ وہابیوں، دیوبندیوں کا ردّ فرمائیں تو نئی روشنی کے دلدادہ جو اخلاق و تہذیب والے کہلاتے ہیں وہ بھی حضور کی کتابوں کے مطالعے سے مشرّف ہوں اور حضور کے لاجواب دلائل دیکھ کر ہدایت پائیں۔ حضرت صدر الافاضل مُرادآبادی کی یہ گفتگو سُن کر اعلیٰ حضرت آب دیدہ ہو گئے اور فرمایا:

"مولانا تمنا تو یہ تھی کہ احمد رضا کے ہاتھ میں تلوار ہوتی اور احمد رضا کے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والوں کی گردنیں ہوتیں اور اپنے ہاتھ سے ان گستاخوں کا سر قلم کرتا اور اس طرح گستاخی اور توہین کا سدِّ باب کرتا لیکن تلوار سے کام لینا تو اپنے اختیار میں نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے قلم عطا فرمایا ہے تو میں

قلم سے سختی اور شدّت کے ساتھ ان بے دینوں کا ردّ اس لئے کرتا ہوں تا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بدزبانی کرنے والوں اپنے خلاف شدید ردّ دیکھ کر مجھ پر غصّہ کرے، پھر جل بھُن کر مجھے گالیاں دینے لگیں اور میرے آقا و مولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم کی شان میں گالیاں بکنا بھول جائیں۔ اس طرح میری اور میرے آبا و اجداد کی عزّت و آبرو حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم کی عظمتِ جلیلہ کے لئے سپر ہو جائے۔"

(سوانحِ اعلیٰ حضرت۔ از علّامہ بدرالدین احمد قادری رضوی۔ ص ۱۳۱، ۱۳۲)

جب ایک صوفی عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں خود کو فنا کر دیتا ہے تو اُسے دنیا کی رسوائیوں اور تہمتوں کی پرواہ نہیں ہوتی، وہ ہر دو سے بے نیاز ہو جاتا ہے، اُسے تو صرف اپنے محبوب کی خوشنودی مقصود ہوتی ہے۔

اعلیٰ حضرت کا عشقِ رسول اپنی مثال آپ تھا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا محبت اور فدائیت کا جذبہ آپ کے رگ و پے میں سمایا ہوا تھا۔ اسی کا فیضان تھا کہ آپ سے جو بھی قریب ہو جاتا اس کے دل میں بھی عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شمع روشن ہو جاتی اور پھر وہ عاشقِ رسول اعلیٰ حضرت سے یہ نعمت پا کر آپ کا رہینِ منّت ہو جاتا۔ حضرت مولانا وصی احمد محدّث سورتی فرماتے ہیں:

"بڑی دولت وہ علم نہیں ہے جو میں نے مولوی اسحٰق صاحب محشی بخاری سے پایا، سب سے بڑی نعمت وہ بیعت نہیں ہے جو مجھے

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب سے حاصل ہوئی بلکہ
سب سے بڑی دولت اور سب سے بڑی نعمت وہ ایمان ہے
جس کو میں نے صرف اعلیٰ حضرت سے پایا۔ میرے سینے میں
پوری عظمت کے ساتھ مدینہ بسانے والے اعلیٰ حضرت ہی ہیں،
اس لئے ان کے تذکرے سے میرے روح میں بالیدگی پیدا
ہوتی ہے، میں ان کے ایک ایک کلمے کو اپنے لئے مشعلِ ہدایت
جانتا ہوں۔''

(سوانح اعلیٰ حضرت۔ مولانا بدرالدین قادری رضوی۔ ص:۱۳۲)

اعلیٰ حضرت عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تہذیب سے اچھی طرح واقف تھے۔ آپ کے یہاں اس عشق کی تطہیر کا رجحان قوی تھا اور اس کو آپ نے اپنے علم و عمل سے باوقار انداز میں پیش کیا۔ عشق کا تنزیہی رجحان بھی آپ کے پاس ملتا ہے مگر اتنا ضرور ہے کہ عشق کے کیف وسُرور میں ڈوب کر بھی آپ نے علم وادراک کا دامن نہیں چھوڑا، ایسا کرنا آپ کے لئے ممکن بھی نہیں تھا کیونکہ ایک طرف آپ پر شرعی تقاضے تھے تو دوسری طرف دین پر ہونے والے حملوں کا جواب دینا اور اہلِ سُنّت کی اصلاح کا کام بھی انجام دینا تھا۔ اگر آپ صرف عشق کے بحرِ بیکراں میں ڈوب جاتے تو مذکورہ دونوں ذمے داریوں سے عہدہ برآ نہ ہو پاتے۔ لیکن آپ نے ایک عام صوفی کی طرح سلوک کی منزلوں سے گذرتے ہوئے بھی اہلِ سُنّت اور ناموسِ رسالت کی حفاظت کا بھرپور اور قابلِ تقلید نمونہ پیش کیا۔ آپ کی اصلاح سے جو راہِ راست پر

آجاتا تو پھر اُسے اس قدر اپنے قریب فرمالیتے کہ وہ آپ کی نوازشوں اور عنایتوں سے بہرہ مند ہونے لگتا یا پھر اصلاح سے جو مخالفت پر اُتر آتا تو اس کے ساتھ وہی معاملہ فرماتے جو صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے منافقین کے ساتھ کرنے کا حکم دیا تھا۔

اعلیٰ حضرت کی ایسی بے لوث محبت اور عشقِ صادق کا فیضان ہے کہ چشمِ سر سے بہ حالتِ بیداری آپ کو زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوئی۔ مولانا سیّد جعفر میاں خطیب جامع مسجد کپورتھلہ نے ایک بار اپنے والدِ ماجد مولانا شاہ سلیمان پھلواری کے عُرس کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

''اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضلِ بریلوی جب دوسری مرتبہ زیارتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مدینہ حاضر ہوئے تو شوقِ دیدار میں روضۂ شریف کے مواجہ میں درودِ شریف پڑھتے رہے اور یقین تھا کہ سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم بالمواجہ زیارت سے مشرّف فرمائیں گے لیکن پہلی شب ایسا نہ ہوا تو ایک غزل لکھی جس کا مطلع یہ ہے:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
ترے دن اے بہار پھرتے ہیں

اس غزل کے مقطع میں محرومیٔ دیدار اور اپنی بے بضاعتی کا اظہار فرمایا ہے:

کوئی کیوں پوچھے تری بات رضاؔ
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

''یہ غزل مواجۂ اقدس میں عرض کر کے انتظار میں مؤدب بیٹھے تھے

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

کہ قسمت جاگ اُٹھی اور چشمِ سر سے بیداری میں زیارتِ حضور
اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرّف ہوئے۔"

(المیزان، امام احمد رضا نمبر۔ امام احمد رضا علوم وفنون کا ہمالہ۔ مقبول جہانگیر۔ ص:۳۴۵)

(اس واقعے کو اکثر حضرات نے بیان فرمایا ہے۔)

صوفیا عشق کو صرف سطحی انداز ہی میں نہیں دیکھتے بلکہ وہ عشق کو کامل اور متحرک جذبہ سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ ایک ایسا جذبہ ہے جو سُپردگی کی منزل سے ہمکنار کرتا ہے۔ یہ سُپردگی اپنی خواہشات، اپنی مرضی اور اپنے ارادے سے اُسے بے تعلق کر دیتی ہے اور وہ اب صرف اپنے محبوب کی خواہش، مرضی اور ارادے کا تابع ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسا صوفی جو سُپردگی کی منزل سے ہمکنار ہو گیا ہو وہ بے عمل اور قوّتِ ارادی سے محروم ہو جاتا ہے؟ بہ ظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے لیکن جب وہ سُپردگی کی اس منزل میں پہنچتا ہے تو اس کے عمل اور قوّتِ ارادی میں اس قدر اضافہ ہوتا ہے کہ اس کا اندازہ لگانا ممکن نہیں اس لئے کہ اب اس کا عمل محبوب کی قوّتِ عمل سے تعلق پیدا کر لیتا ہے اور اس کا ارادہ اس کے محبوب کے ارادے سے الگ نہیں ہوتا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے جب ایک چھوٹی اور کمزور شئے کسی بڑی اور طاقت ور شئے سے نسبت پیدا کر لیتی ہے تو اس کی کمتری برتری میں اور اس کی کمزوری قوّت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیا کے نزدیک سُپردگی کی منزل قوّتِ عمل کی منزل ہے۔ اعلیٰ حضرت کے علم وعمل کے جائزے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کے مقامِ سُپردگی نے ہی آپ میں وہ قوّتِ عمل پیدا کر دی تھی

کہ آپ جو کچھ کہتے اور کرتے تھے اس میں آپ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی شامل رہا کرتی تھی۔ یہاں حضرت شاہ جی میاں شرقپوری قدس سرّہ العزیز کے اس بیان کو ذہن میں رکھئے کہ جب وہ بریلی شریف میں اعلیٰ حضرت کے تین دن مہمان رہ کر لوٹے تو آپ کے مریدین نے پوچھا، حضور نے وہاں کیا دیکھا تو حضرت شاہ جی میاں کے آنسو جاری ہو گئے اور فرمانے لگے میں کیا بتاؤں کہ کیا کیا دیکھا، ارے یہ دیکھا کہ ایک پردہ ہے، اس کے پیچھے سے تاجدارِ مدینہ، شہنشاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بتاتے ہیں اور مولانا احمد رضا بولتے ہیں۔

(امام احمد رضا اور ردِّ بدعات ومنکرات۔ یٰسن اختر مصباحی۔ ص:۱۲۷)

اس معتبر ہستی کے علاوہ اعلیٰ حضرت کی تصانیف عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سُپردگی کا بیّن ثبوت ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی فرماتے ہیں:

"مولانا شاہ احمد رضا بریلوی چودھویں صدی ہجری کے بلند پایہ فقیہ، متبحر عالم، بہترین نعت گو، صاحبِ شریعت، صاحبِ طریقت بزرگ تھے۔ ان کا امتیازی وصف جو دوسرے تمام فضائل وکمالات سے بڑھ کر ہے وہ ہے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان کی تصانیف و الیفات میں جو چیز سب سے نمایاں ہے وہ یہی حُبِّ رسول ہے۔"

(امام احمد رضا اربابِ علم ودانش کی نظر میں۔ یٰسن اختر مصباحی۔ ص:۸۶)

حقیقت بھی یہی ہے کہ صوفی جب عشق سے ہٹ کر کچھ کہنا بھی چاہتا ہے تو وہ بھی عشق کی روایت اور تصوریت سے الگ نہیں ہوتا۔ کسی بھی صوفی کے رشحات کا

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

مطالعہ کیجئے ان میں عشق کی کارفرمائی دکھائی دے گی۔اس کے بغیر اس کے تصورات اور رجحانات میں رہ ہی کیا جاتا ہے۔سچ تو یہ ہے کہ اسی سے اس کی تحریروں میں اثر آفرینی پیدا ہوتی ہے۔اعلیٰ حضرت کی تخلیقات عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرارت ہی سے زندہ و تابندہ ہیں اور انشاءَ اللہ تعالیٰ آپ کی تخلیقات کی یہ حرارت کبھی کم نہ ہوگی اور یہی آپ کے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ابلاغ کا ذریعہ بھی ہیں اور انشاءَ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی رہیں گی۔

صوفی سُپردگی کی منزل میں پہنچ کر اپنے محبوب کی مرضی کے ساتھ راضی بہ رضا ہوجاتا ہے، دراصل یہی وہ مقام ہے جہاں اُسے نفسِ مطمئنہ حاصل ہوجاتا ہے اور اس پر بہشت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔قرآنِ مجید اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے:

یٰٓاَیَّتُھَاالنَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً۔

فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ۔وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔

جس شخص کو نفسِ مطمئنہ حاصل ہوجاتا ہے اس کے لئے موت فنا کرنے یا مٹانے والی نہیں بلکہ اُسے اس کے محبوب سے مِلانے کا ذریعہ ہوتی ہے۔جب ایسا شخص دنیا سے پردہ فرماتا ہے تو فرشتے اُسے لینے کے لئے آسمانوں سے اُتر آتے ہیں۔ایسے فرد کے پردہ فرمانے کی خبر دنیا میں بھی موجود اہلِ دل حضرات کو ہوجاتی ہے اس لئے بھی کہ ایک عالَم صوفی کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے۔حضرت سیّد محمد کچھوچھوی لکھتے ہیں:

''میں اپنے مکان پر تھا اور بریلی کے حالات سے بے خبر تھا۔میرے

حضور شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت شاہ سیّد علی حسین اشرفی میاں قدس سرّہ العزیز وضو فرما رہے تھے کہ یک بارگی رونے لگے۔یہ بات کسی کی بھی سمجھ میں نہ آئی کہ کیا کسی کیڑے نے کاٹ لیا ہے۔میں آگے بڑھا تو فرمایا کہ بیٹا میں فرشتوں کے کاندھوں پر قطب الارشاد کا جنازہ دیکھ کر رو پڑا ہوں۔چند گھنٹے کے بعد بریلی کا تار ملا، ہمارے گھر میں کُہرام پڑ گیا۔''

(المیزان، امام احمد رضا نمبر۔مضمون، امام احمد رضا مجدّدِ اعظم۔از سیّد محمد کچھوچھوی۔ص ۲۵۹)

جب کوئی عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پردہ فرماتا ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عاشقوں کے ساتھ اس کے منتظر ہوتے ہیں۔حضرت مولانا حافظ عبد العزیز مُرادآبادی قدس سرّہ، حضرت دیوان سیّد آلِ رسول صاحب کے حوالے سے ایک شامی بزرگ کے دہلی آنے کا واقعہ لکھا ہے۔اُن بزرگ نے فرمایا:

''(مقصد دہلی آنے کا) بڑا زریں تھا لیکن حاصل نہ ہوا جس کا افسوس ہے۔واقعہ یہ ہے کہ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ ہجری کو میری قسمت بیدار ہوئی۔خواب میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت نصیب ہوئی۔دیکھا کہ حضور تشریف فرما ہیں، صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حاضرِ دربار ہیں لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے۔قرینہ سے معلوم ہوتا تھا کہ کسی کا انتظار ہے۔میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا فداک ابی وامّی کس کا انتظار ہے، ارشاد فرمایا، احمد رضا کا انتظار ہے۔میں نے

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

عرض کیا، احمد رضا کون ہیں؟ فرمایا، ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔ بیداری کے بعد میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا، مولانا احمد رضا خاں صاحب بڑے ہی جلیل القدر عالم ہیں اور بقیدِ حیات ہیں۔ مجھے مولانا کی ملاقات کا شوق ہوا، میں ہندوستان آیا، بریلی پہنچا، معلوم ہوا کہ اُن کا انتقال ہوگیا اور وہی ۲۵ صفر ۱۳۴۰ ہجری اُن کی تاریخِ وصال تھی۔"

(امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں۔ یٰسن اختر مصباحی۔ ص: ۷۵)

اعلیٰ حضرت کے وصال سے متعلق مذکورہ دونوں واقعات اِس بات کے شاہد ہیں کہ آپ ایک صوفی باصفا اور سچے عاشقِ رسول تھے۔ آپ کے عشق کی پاکی اور اطہریت اظہر من الشمس ہے۔ آپ کے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع نے اپنے دَور میں چھانے والی بے دینی اور بدعقیدگی کی تاریکی کو ہی دور نہیں کیا بلکہ ایسے کئی بے شمار چراغ روشن کردیئے جو آنے والے زمانے میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور اہمیت کا اُجالا عام کرسکتے تھے اور یہ فیضان آج بھی جاری ہے اور انشاءَ اللہ تعالیٰ رہتی دنیا تک جاری رہے گا۔

حفظِ ناموسِ رسالت کا یہ ذمّہ دار ہے
یاالٰہی مسلکِ احمد رضا خاں زندہ باد

امام احمد رضا

کی

کرامات

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

اعلیٰ حضرت کی کرامات کا ذکر کرنے سے پہلے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ کرامت کے معنی و مفہوم پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ کرامت کا ایک ہم معنی لفظ معجزہ بھی ہے لیکن معجزہ اور کرامت میں ایک حدِ فاصل اس لحاظ سے ہے کہ معجزے کو نبی سے اور کرامت کو ولی سے منسوب کر دیا گیا ہے حالانکہ دونوں کے معنی خرقِ عادت یا فوق الفطرت یا حیرت میں ڈالنے والے واقعے ہی کے ہیں۔ اب انسانی عقل کو حیرت میں ڈالنے والا واقعہ اگر کسی نبی سے سرزد ہوا ہے تو وہ معجزہ کہلاتا ہے اور ایسا ہی کوئی واقعہ کسی ولی سے ہو تو وہ کرامت سمجھا جائے گا۔ معجزہ اور کرامت کے ان لغوی معنوں سے ہٹ کر اگر ان کا ذرا غور سے جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ نبی سے معجزہ اس لئے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگ اس کو نبی تسلیم کریں۔ گویا معجزے کے اظہار کا مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ لوگ نبی سے ظاہر ہونے والے اس فوق الفطرت واقعے کو دیکھ کر اللہ جل شانہ کی قدرت اور نبی کی نبوّت پر ایمان لائیں۔ نبیوں پر ایمان لانے سے پہلے لوگوں نے نبیوں سے ایسے کاموں کے کر دکھانے پر اصرار بھی کیا جس کے ہونے پر انسانی عقل آج بھی حیرت زدہ ہے۔ ایسے معجزات میں خاص طور پر حضرت ادریس علیہ السّلام کی اونٹنی کا پتھر کی چٹان سے برآمد ہونا، حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے عصا کا اژدہے میں تبدیل ہو جانا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شق القمر کے واقعے کا سرزد ہونا، سورج کا پلٹ آنا، کنکریوں کا کلمہ پڑھنا وغیرہ وغیرہ یہ سارے واقعات معجزات ہیں۔ معجزات میں جو باتیں خاص طور پر اہم ہوتی ہیں ان میں۔۔

۱۔ معجزات مقصد لئے ہوتے ہیں۔

۲۔ معجزات علانیہ ہوتے ہیں۔

۳۔ معجزات محیر العقول ہونے کے ساتھ اپنا جواب نہیں رکھتے۔

کرامت ولی سے سرزد ہونے والے فوق الفطرت واقعے کو کہا جاتا ہے۔ ولی سے ایسا واقعہ اس لئے سرزد نہیں ہوتا کہ لوگ اُسے ولی تسلیم کریں۔ وہ تو اپنی ولایت کو چُھپائے رکھنا چاہتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ وہ فنا کی منزلوں سے گذر رہا ہے اس راہ میں چھوٹی سی لغزش بھی اُسے اس کے مقصد کے حصول سے دور لے جا سکتی ہے۔ چنانچہ وہ جس جگہ رہتا ہے، جن لوگوں سے ملتا جلتا ہے اور جن کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا ہے وہ بھی اس کے مقام سے ناواقف ہوتے ہیں۔ مقامِ قُربِ الٰہی پر پہنچ کر بھی وہ اپنی ولایت اور ذات کو نمایاں نہیں کرتا۔

ولی حصولِ مقصد (وصالِ یار) کے بعد آسودہ نہیں ہو جاتا بلکہ وہ اس مسرّت سے کبھی جُدا ہونا پسند نہیں کرتا۔ یہ ایک ایسا روحانی جذبہ ہے جو طالب کے دل میں مطلوب کے لئے ہوتا ہے اور وہ اپنے سارے وجود کو اپنے مطلوب کے حوالے کر دیتا ہے اور اپنی ذات سے فنا ہو کر مطلوب کی ذات میں باقی رہنے میں حیاتِ ابدی تصوّر کرتا ہے۔ جب یہ مقام صوفی کو حاصل ہو جاتا ہے تو وہ عشق کی توانائی اور قوّت سے مُتصف ہو جاتا ہے۔ صوفی کی اس قوّت کا اندازہ لگانا ممکن نہیں کیونکہ وہ قوّت اس کی ذات میں محبوبِ حقیقی سے قریب ہو جانے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کا اظہار وہ عموماً نہیں کرتا، تاہم جب کبھی اس کا اظہار ہو بھی جاتا ہے تو وہ اس کو اپنے محبوب کی طرف مبذول کر دیتا ہے۔ وہ اس بات کا علم رکھتا ہے کہ اس کا ہر فعل اس کا نہیں بلکہ

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

اس کے رب کا تابع ہے۔ چنانچہ وہ نہیں دیکھتا، اس کا رب دیکھتا ہے۔ وہ نہیں بولتا، اس کا رب بولتا ہے۔ وہ نہیں دیتا، اس کا رب دیتا ہے۔ اس کی کوئی مرضی ہے نہ کوئی ارادہ، اگر مرضی ہے تو اس کے رب کی اگر ارادہ ہے تو اس کے رب کا۔ اس طرح اس کی ذات رحمتِ باریٔ تعالیٰ کے عام انسانوں تک پہنچنے کا وسیلہ بن جاتی ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''اولیاً کے سبب بلا دور ہوتی ہے۔ اولیاً کے سبب روزی ملتی ہے۔ اولیا کے سبب مدد ملتی ہے۔ اولیاً کے سبب بارش ہوتی ہے۔ اولیاً کے سبب زمین قائم ہے۔''

(المیزان، امام احمد رضا نمبر۔ مضمون: تعلیماتِ تصوف۔ اعجاز مدنی۔ ص: ۲۲۱)

مذکورہ ساری باتیں دراصل اولیاً کی کرامات ہی کا دائرہ ہیں لہٰذا کراماتِ اولیاً کا فیض ہے جو رحمتِ باریٔ تعالیٰ کی شکل میں عام انسانوں تک پہنچتا ہے۔ چنانچہ کرامات۔۔

۱۔ ولی کو ولی ثابت کرنے کا مقصد نہیں رکھتیں۔

۲۔ وہ علانیہ بھی ہوتی ہیں اور غیر محسوس کُن بھی۔

۳۔ ایک ہی جیسی کرامتیں کئی اولیاً سے ظاہر ہوسکتی ہیں یا پھر اُن میں مماثلت بھی پائی جاسکتی ہے۔ یہ اس لئے کہ یہ فرد اور عالَم دونوں کے لئے فیض کا سرچشمہ ہوتی ہیں۔

علماء کے نزدیک کرامتوں کی دو قسمیں بتائی گئی ہیں۔ ایک کرامتِ معنویہ ہے جو آدابِ شرعیہ حفاظت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اتباع سے مُراد

ہے۔ دوسری قسم حسّی کرامت ہے جو فیض اور خرقِ عادت سے متعلق ہوتی ہے۔ کرامات کی ان دونوں اقسام کی مزید وضاحت علمائے باطن کے چند اقوال میں ملاحظہ فرمائیے۔

''ہر صوفی کامل درجۂ ولایت پر فائز ہوتا ہے اور ہر ولی صوفی کامل ضرور ہوتا ہے۔ ولی کون ہے؟ اس کی تعریف میں بھی بہت سے اقوال ہیں لیکن قرآنِ کریم ارشاد فرماتا ہے'' اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ'' ۔ (اولیاً اللہ وہ ہیں جو ایمان اور تقویٰ کے کمال سے سرفراز ہوں)۔ دوسری بات یہ ہے کہ ولایت کے لئے کرامت لازم ہے مگر کرامت دو طرح کی ہے۔ ایک وہ جس میں کسی دھوکہ کا دخل نہیں ہوسکتا۔ دوسری وہ جس میں استدراج اور شعبدہ کا شُبہ ہوسکتا ہے، تو اصل کرامت وہی ہے جو شُبہ سے پاک ہو۔ اسی لئے سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں:

کَرَامَۃُ الْوَلِیِّ اِسْتِقَامَۃُ فِعْلِہٖ عَلٰی قَانُوْنِ قَوْلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ سَلَّم.

(ولی کی کرامت یہ ہے کہ اس کا فعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے قانون پر ٹھیک اُترے۔)

(بہجت الاسرار شریف۔ ص: ۳۹۔ طبعِ مصر)

حضرت شیخ اکبر محی الدّین محمد بن العربی قدس سرّہ فرماتے ہیں۔ ایک کرامت تو حسّی

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

ہوتی ہے جسے عوام بھی جانتے ہیں جیسے ہوا میں اُڑنا، پانی پر چلنا، گذشتہ و آئندہ حالات کی خبر دینا، سینکڑوں منزل بیک قدم طے کر لینا۔

دوسری کرامت معنوی ہوتی ہے جسے صرف خواص پہچانتے ہیں، وہ یہ ہے کہ:

''اپنے نفس پر آدابِ شرعیہ کی حفاظت رکھے۔ عمدہ خصلتیں حاصل کرنے اور بُری عادتوں سے بچنے کی توفیق پائے۔ تمام واجبات ٹھیک وقت سے ادا کرنے کا التزام رکھے۔''

ان کرامتوں میں مکر و استدراج کو دخل نہیں اور وہ کرامتیں جنہیں عوام پہچانتے ہیں ان سب میں مکرِ نہاں کی مداخلت ہوسکتی ہے..... کرامتِ معنویہ میں مکر و استدراج کی مداخلت نہیں۔

(فتوحاتِ مکّیہ، جلد ۲۔ ص: ۴۸۷)

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ ایسی کرامت دی گئی کہ ہوا پر چار زانو بیٹھ سکے تو اس سے فریب نہ کھانا جب تک یہ نہ دیکھو کہ فرض و واجب، مکروحرام اور محافظتِ حدود و آدابِ شریعت میں اس کا حال کیسا ہے۔''

(قشیریہ۔ ص: ۱۸)

اعلیٰ حضرت کی کرامتِ معنویہ کی تفصیل ہم نے پچھلے دو ابواب میں بتا دی ہے۔ آپ کے علم و عمل اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ آپ صوفی باصفا اور ولی کامل تھے۔ صوفی یا ولی کی پہچان کرامتِ معنویہ ہی کی

بدولت صحیح اور درست سمجھی جاتی ہے۔ ایسا صوفی یا ولی جو آدابِ شرعیہ کی حفاظت اور اتباعِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسوٹی پر کھرا اُترتا ہے تو اللہ جل شانہ کی قدرت، احکامِ شرعیہ کی ادائیگی میں بھی اس کی معاون و مددگار ہو جاتی ہے۔

''امام احمد رضا قدس سرہ ''الفیوضات المکیہ لمحب الدولۃ المکیہ'' ۱۳۲۴ ہجری میں خود اپنی ایک کرامت اسی قسم کی بیان کرتے ہیں اگر چہ حاشیہ میں انکساراً اِسے کرامت نہیں معونت لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

''فقیر قادری کے ساتھ دو بار ایسا معاملہ پیش آیا کہ آخر وقت فجر میں بیدار ہوا جب کہ کنارۂ آفتاب چمکنے میں بہ حسابِ علمِ توقیت صرف دس منٹ باقی تھے۔ غسل کی ضرورت تھی، استنجا و تطہیرِ نجاست اور مسواک سے فارغ ہو کر غسل خانے میں گیا، گھڑی باہر رکھ دی تھی، اندر جا کر محسوس ہوا کہ وقت ابھی زیادہ ہے اس لئے سارے گرم کپڑے اُتار کر رعایت آداب و سُنن کے ساتھ باطمینان غسل کیا پھر سر سے اچھی طرح پانی جذب کر کے تمام کپڑے پہنے، باہر آ کر گھڑی دیکھی تو اس میں بالکل اتنا ہی وقت ہے جتنا پہلے تھا۔ خیال ہوا کہ رکھ دینے سے گھڑی بند ہو گئی تھی اور اُٹھا لینے سے ابھی چلنے لگی اور نماز کا وقت نکل گیا اس لئے اتنے سارے کاموں میں یقیناً دس منٹ سے زیادہ وقت صَرف ہوا ہے۔ اس فقیر کو ہیئات و نجوم اور توقیت کی بھی کامل معرفت ہے، نگاہ اُٹھا کر دیکھا تو اُفق یہ بتا رہا

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

ہے کہ ابھی وقت ہے اور اتنا کہ فرض ہی نہیں سُنّتوں کی بھی گنجائش ہے لہٰذا سُنّتیں ادا کیں، فرض بجماعت پڑھا اور مکان واپس ہوکر گھر کی عمدہ وصحیح بڑی گھڑی سے اپنی گھڑی ملائی تو دونوں بالکل مطابق تھیں۔اس سے سمجھا کہ چھوٹی گھڑی بند نہیں ہوئی تھی، اگر ایسا ہوتا تو دونوں میں ضرور فرق ہوتا۔ یقین کیا کہ مولیٰ سبحانہ تعالیٰ نے اس فقیر کے لئے ایک سکنڈ سے کم وقت اتنا وسیع فرمایا کہ ان سارے کاموں کی گنجائش نکل آئی۔والحمدللہ رب العالمین۔''

(امام احمد رضا اور تصوف۔ از مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی۔ص:۹۶)

''ولی، ولی کو پہچانتا ہے'' اس قول کی روشنی میں بھی اعلیٰ حضرت صوفی باصفا اور ولی کامل نظر آتے ہیں۔اعلیٰ حضرت کا دور صوفی بزرگوں اور مجذوبوں سے خالی نہ تھا۔خاص طور پر شمالی ہندوستان میں کئی صوفی بزرگ اور مجذوب موجود تھے جو اعلیٰ حضرت کا احترام کیا کرتے تھے۔اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان اہلِ دل بزرگوں نے تقویٰ وطہارت کے اعتبار سے اعلیٰ حضرت کے مقام ومرتبے کو پہچان لیا تھا۔دوسری وجہ یہ کہ آپ 'فانی الرّسول' تھے اور راہِ عشق میں آپ کی تحقیق ان بزرگوں سے زیادہ وسیع اور درست تھی چنانچہ جب۔۔

''بریلی شریف کے مشہور ومعروف بزرگ حضرت دھوکا شاہ صاحب علیہ الرحمہ جن پر جذب کی کیفیت طاری رہتی تھی (۱۳۱۶ ہجری کا واقعہ

ہے) اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں تشریف لائے اور اعلیٰ حضرت سے فرمانے لگے حضور سیّدِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت زمین پر نظر آرہی ہے، آسمان پر نظر نہیں آتی۔اعلیٰ حضرت نے فرمایا، حضورِ پُر نور، شہنشاہِ دو عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت جس طرح زمین پر ہے اسی طرح آسمان پر بھی ہے۔اس کے بعد حضرت دھوکا شاہ صاحب نے پھر عرض کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت زمین پر نظر آرہی ہے آسمان پر نظر نہیں آتی۔اعلیٰ حضرت نے پھر فرمایا، کسی کو نظر آئے یا نہ آئے لیکن میرے آقا شہنشاہِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت بحر و بر، خشک وتر، برگ وثمر، شجر حجر، شمس وقمر، زمین و آسمان، ہر شئے پر ہر جگہ جاری تھی، جاری ہے اور جاری رہے گی۔یہ جواب سُن کر حضرت دھوکا شاہ صاحب چلے گئے۔ حضور مفتیِ اعظمِ ہند قبلہ دام ظلہم النورانی کی عُمرِ شریف اس وقت چھ سال کی تھی۔آپ کوٹھے پر تشریف فرما تھے، کچھ دیر کے بعد کوٹھے پر سے گر پڑے۔والدہ صاحبہ نے اعلیٰ حضرت کو آواز دی اور فرمایا تم ابھی ایک مجذوب سے اُلجھے اور وہ مجذوب شاید غصّہ میں چلے گئے، دیکھو جبھی تو یہ مصطفیٰ رضا کوٹھے پر سے گر پڑے، مجذوبوں سے اُلجھنا نہیں چاہئے۔اعلیٰ حضرت نے فرمایا، مصطفیٰ رضا کوٹھے پر سے گرے تو لیکن چوٹ نہیں

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

لگی ہوگی۔ دیکھا تو اعلیٰ حضرت مسکرا رہے تھے پھر فرمایا، مولیٰ تعالیٰ جل وعلا اگر ایسے مصطفیٰ رضا ہزار عطا فرمائے تو خدا کی قسم ان سب کو شریعتِ مطہرہ پر قربان کرسکتا ہوں لیکن شریعتِ مطہرہ پر کوئی حرف نہ آنے دوں گا۔ پھر فرمایا، یہ مجذوب تو فقیر کے پاس اپنی اصلاح کے لئے تشریف لاتے ہیں اور یہ کام فقیر کے سپرد ہے۔ حضرت دھوکا شاہ صاحب زمین کی سیر فرما چکے تھے اب آسمان کی سیر فرمانے جارہے تھے لہٰذا اس نظر کی ضرورت تھی جس سے حضور شہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات آسمان پر بھی ملاحظہ فرمائے، اس لئے فقیر کے پاس تشریف لائے۔ وہ نظر ان کو عطا کردی گئی۔ کچھ دیر کے بعد حضرت دھوکا شاہ صاحب دوبارہ پھر تشریف لائے اور لپکتے ہوئے اعلیٰ حضرت کی طرف بڑھ کر معانقہ کیا اور پیشانی چوم لی۔ پھر فرمایا، خدا کی قسم جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت زمین پر ہے اسی طرح آسمان پر بھی بلکہ ہر جگہ ہر شئے پر حضور کی حکومت دیکھ رہا ہوں۔ آپ کے طفیل اب آسمان پر بھی حضور علیہ السّلام کی حکومت نظر آرہی ہے۔"

(تجلّیاتِ امام احمد رضا۔ از محمد امانت رسول قادری۔ ص:۴۹، ۵۰)

اس واقعے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نہ صرف ہم جیسے اہلِ خرد ہی کی اصلاح فرمایا کرتے تھے بلکہ مجذوبوں کی بھی رہنمائی راہِ سلوک کی منزلوں

میں فرمایا کرتے تھے۔ ایک اور بات یہ کہ خود اعلیٰ حضرت وہ نظر رکھتے تھے کہ جس سے صوفی یا مجذوب کے صحیح حال وقال کا پتہ چل جاتا تھا۔ ایسے لوگ جو صوفیوں یا مجذوبوں کا لباس اوڑھ کر عوام کو دھوکا دینا یا اپنی دُکان سجانا چاہتے تھے اعلیٰ حضرت کی نظر سے بچ نہیں پائے تھے۔ صحیح حال وقال صوفیوں اور مجذوبوں کا خود اعلیٰ حضرت اس قدر احترام فرماتے تھے کہ دیکھنے والے آپ کے عمل سے ششدر رہ جاتے تھے۔

مسلمان صوفی اور مجذوب بزرگوں کے علاوہ غیر مسلم سادھو سنت تک اعلیٰ حضرت کی ولایت کے شناسا تھے اور آپ کا احترام کیا کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت کے خادمِ خاص حاجی کفایت اللہ صاحب کے حوالے سے مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی صاحب نے لکھا ہے:

"اعلیٰ حضرت بنارس تشریف لے گئے۔ ایک دن دوپہر کو ایک جگہ دعوت تھی، میں ہمراہ تھا، واپسی میں تانگے والے سے فرمایا، اس طرف فلاں مندر کے سامنے سے ہوتے ہوئے چل۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اعلیٰ حضرت بنارس کب تشریف لائے اور کیسے یہاں کی گلیوں سے واقف ہوئے اور اس مندر کا نام کب سُنا۔ اسی حیرت میں تھا کہ تانگہ مندر کے سامنے پہنچا۔ دیکھا کہ ایک سادھو مندر سے نکلا اور تانگے کی طرف دوڑا، آپ نے تانگہ رُکوا دیا۔ اس نے اعلیٰ حضرت کو ادب سے سلام کیا اور کان میں کچھ باتیں ہوئیں جو میری سمجھ سے باہر تھیں۔ پھر وہ سادھو مندر میں چلا

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

گیا، ادھر تانگہ بھی چل پڑا تب میں نے عرض کیا کہ حضور یہ کون تھا؟ فرمایا ''ابدالِ وقت'' عرض کی مندر میں ؟! فرمایا، آم کھائیے، پتے نہ گنئے۔''

(امام احمد رضا اور تصوف۔مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی۔ص:۹۸)

مذکورہ واقعات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اعلیٰ حضرت جہاں صوفی اور مجذوب بزرگوں کا احترام کیا کرتے تھے وہیں پر صوفی، مجذوب، سادھو اور سنت بھی اعلیٰ حضرت کا احترام کرتے تھے جو آپ کے کامل صوفی ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔مزید یہ کہ بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضری دینا کشف القبور کے ذریعے ان بزرگوں سے ہم کلام ہونا جیسے واقعات بھی اعلیٰ حضرت کے صوفی با صفا اور ولی کامل ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔یہ دو واقعات ملاحظہ فرمائیے۔

''اعلیٰ حضرت ایک مرتبہ پیلی بھیت تشریف لائے، حضور محدّث سورتی، علاّمہ مولانا انشاءً وصی احمد علیہ الرّضوان الصمد کے دولت خانے پر قیام فرما ہوئے۔اعلیٰ حضرت قبلہ نے حضور محدّث سورتی صاحب سے فرمایا کہ ہمیں بشارت ہوئی ہے شاہ کلیم اللہ قدس سرّہ (کریم اللہ شاہ ولی دادا میاں) کے مزار پر جانا ہے۔وہ ہم سے فرماتے ہیں ہمارے مقبرے پر تشریف لائیے۔یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ حضرت مولانا مولوی حکیم حبیب الرحمٰن خاں صاحب پیلی بھیتی حضرت مولانا عبد الحق صاحب رئیسِ کرگنہ،

حضرت مولانا شاہ ابو سراج عبد الحق صاحب شمسی اور شہزادہ محدّثِ سورتی، مولانا عبد الاحد صاحب، حضور محدّث سورتی صاحب کے مدرسۃ الحدیث میں زیرِ تعلیم تھے۔چنانچہ اعلیٰ حضرت کے ہمراہ محدّث سورتی صاحب و دیگر طلبہ دادا میاں کے مزارِ شریف پر تشریف لے گئے۔جب وہاں پہنچے تو دیکھنے میں یہ آیا کہ مزارِ مبارک کے کواڑ کھلے ہوئے ہیں اور چوکھٹ کے بیچ میں ایک اژدہا لیٹا ہوا ہے۔اعلیٰ حضرت مزارِ اقدس کے قریب پہنچے تو وہ اژدہا اندر چلا گیا۔اعلیٰ حضرت بھی اندر تشریف لے گئے۔حضرت محدّث سورتی صاحب وغیرہ اندر جانا چاہتے تھے کہ مزارِ شریف کے کواڑ خود بہ خود بند ہو گئے۔حضرت محدّث صاحب وغیرہ باہر ہی رہ گئے۔اب اعلیٰ حضرت، اژدہا اور صاحبِ مزار اندر ہیں۔باہر حضرت محدّث صاحب اور دیگر طلبہ اس واقعے کو دیکھ کر متفکر ہوئے۔تقریباً دو گھنٹے کے بعد یکا یک مزارِ مبارک کا دروازہ کھلا اور اعلیٰ حضرت اس سے ہشاش بشاش باہر تشریف لائے اور فرمایا، اب وہ اژدہا نظر نہیں آئے گا اور یہ صاحبِ مزار نقشبندی سلسلے سے وابستہ ہیں اور اس شہر پیلی بھیت کے سلطان الاولیاءؑ ہیں۔اس وقت عجیب منظر تھا۔نیز اعلیٰ حضرت نے فرمایا، صاحبِ مزار نے فقیر سے بالمشافہ ملاقات کی اور گفتگو فرمائی...... جب سے یہ واقعہ ہوا وہاں سے

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

اژدہا نظر نہیں آیا۔لوگ عام طور پر مزار شریف پر حاضری دینے لگے۔"

(تجلیات امام احمد رضا۔ از مولانا محمد امانت رسول قادری۔ص:۵۱تا۵۳)

اس واقعے سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اعلیٰ حضرت کا احترام اس دور کے صوفی اور مجذوب تو کرتے ہی تھے مگر ان کے علاوہ دنیا سے پردہ فرمائے ہوئے اولیاً بھی اعلیٰ حضرت کو اپنے مزارات پر تشریف لے آنے کی دعوت دیا کرتے تھے۔مزارات پر پہنچ کر اعلیٰ حضرت صاحب مزار سے بالمشافہ گفتگو فرمایا کرتے تھے اور ان سے متعلق عوام کو آگاہ بھی کیا کرتے تھے۔اس واقعے کو ملاحظہ فرمائیے۔

"غالباً ۱۳۲۰ ہجری میں حضور اعلیٰ حضرت بیسلپور حضرت مولوی عرفان علی صاحب کے دولت خانے پر تشریف لے گئے۔مولوی عرفان علی صاحب سے فرمایا کہ کیا اس بستی میں کسی ولی اللہ کا مزار ہے۔انہوں نے عرض کیا،حضور یہاں تو کسی مشہور ولی کا مزار میری نظر میں نہیں۔اعلیٰ حضرت نے فرمایا،مجھے ولی اللہ کی خوشبو آرہی ہے میں ان کے مزار پر فاتحہ پڑھنے جاؤں گا،تب مولوی عرفان علی صاحب نے عرض کیا،حضور ہاں بالکل اس بستی کے کنارے پر ایک قبر ہے،جنگلی علاقہ ہے،ایک کوٹھری بنی ہے،اس کے اندر وہ قبر ہے۔فرمایا، چلئے۔اعلیٰ حضرت اس گمنام مزار پر تشریف لے گئے اور آپ نے اس چار دیواری کے اندر جا کر دروازہ بند کرلیا

اور تقریباً پون گھنٹے تک اندر رہے۔سینکڑوں کا مجمع تھا عینی شاہدوں کا،خصوصاً مولوی عرفان علی صاحب کا بیان ہے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا دو لوگ آپس میں گفتگو فرما رہے ہیں۔ان اوقات میں ایک ولی نے ایک ولی سے کیسے ملاقات کی اور کیا کیا راز و نیاز کی گفتگو فرمائی کسی کو معلوم نہیں،ہاں جب آپ باہر تشریف لائے تو چہرے پر جلال روشن تھا،بارعب آواز میں فرمایا،بیسلپور والو ! تم اب تک تاریکی میں تھے۔یہ اللہ تعالیٰ کے زبردست ولی ہیں،غازیانِ اسلام سے ہیں،سہروردی سلسلے کے ہیں،قبیلۂ انصار سے تعلق رکھتے ہیں،غازی کمال شاہ ان کا نام ہے،انہوں نے شادی نہیں کی تھی۔ تم لوگوں کا فرض ہے کہ ان سے کسبِ فیض کرتے رہو۔ان کے مزارِ شریف کو عمدہ طور پر تعمیر کرو۔اعلیٰ حضرت کا یہ فرمانا تھا کہ اسی وقت سے لوگوں کا ہجوم لگنے لگا اور آپ کی بارگاہ سے لوگ مستفیض ہونے لگے۔اب وہ اُجاڑ جنگل نما قطعہ تھوڑے ہی دنوں میں صحنِ گلزار و گیا۔"

(تجلیات امام احمد رضا۔ از محمد امانت رسول قادری۔ص:۹۹،۱۰۰)

یہاں تک جن واقعات کا ذکر کیا گیا ہے ان سے اعلیٰ حضرت کا ولی کامل ہونا تو ثابت ہوتا ہی ہے لیکن یہ سارے واقعات کرامات کے دائرے سے ذرا دور ہی رہتے ہیں کیونکہ جب ایک ولی کامل اپنے محبوبِ حقیقی سے قریب تر ہو جاتا ہے تو ایک

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

ایسی تسخیری قوّت کا حامل ہوجاتا ہے جس کا اندازہ لگانا ممکن نہیں۔اس تسخیری قوّت کے تحت جو فوق الفطرت واقعات سرزد ہوتے ہیں وہی حسّی کرامات سے تعبیر کئے جاتے ہیں۔

محبوبِ حقیقی کے قُرب کی وجہ سے اعلیٰ حضرت میں جو تسخیری قوّت پنہاں تھی اس کا اظہار آپ کی زندگی میں وقتاً فوقتاً ہوتا رہا ہے جیسے ٹرین کا اعلیٰ حضرت کے سوار نہ ہونے کی وجہ آگے جاکر رُک جانا، چالیس ڈاکوؤں کا توبہ کرنا اور لُوٹ مار سے باز آنا، غیر مسلم جادوگر کا جادو کے زور سے اعلیٰ حضرت کے جوتے اُٹھانے سے عاجز آنا اور مشرّف بہ اسلام ہونا، اعلیٰ حضرت کا مُردے کو زندہ فرمادینا، حج کے بعد مکّۂ معظمہ سے مدینۂ منوّرہ کے راستے میں اعلیٰ حضرت کی نظرِ بابرکت کی وجہ سے گہرے کنویں کا پانی اوپر آنا (تجلّیاتِ امام احمد رضا۔محمد امانت رسول قادری) وغیرہ وغیرہ یہ سارے واقعات اعلیٰ حضرت کی ایسی کرامتیں ہیں جن کی مثالیں اکابر اولیاءُ اللہ کے پاس بھی ملتی ہیں۔

ولی کے لئے زمان ومکاں کی قید بے معنی ہوتی ہے۔ماضی، حال اور مستقبل اُس کی نظر میں یکساں ہوتے ہیں۔اسی طرح علاقائی حدود اور فاصلوں کی دوری اور نزدیکی بھی اس کے لئے بے معنی ہوتی ہے۔یہ دنیا اس کے لئے ایک بازیچۂ اطفال سے بھی کم وقعت رکھتی ہے چنانچہ وہ جب چاہتا ہے جہاں چاہتا ہے اور جدھر چاہتا ہے دیکھ لیتا ہے اور سُن لیتا ہے۔وہ بیک وقت مختلف مقامات پر نظر آسکتا ہے۔انسانی دلوں کا حال اس پر عیاں ہوتا ہے۔وہ نیتوں کو جانتا اور زندگیوں کو سنوارنے کا ہنر رکھتا

ہے۔اس کی ایک نگاہ تاریک دلوں کو منوّر کردیتی ہے، ڈوبتوں کو کنارے پر پہنچادیتی ہے اور گرتوں کو سہارا دیتی ہے۔اس کی زبان سے جو نکلتا ہے وہ ہوکر رہتا ہے۔وہ جہاں رہتا ہے وہاں رحمتوں کی بارش ہوتی رہتی ہے۔اس کی ذاتِ مبارک کا فیض کسی نادان کی سمجھ میں آئے نہ آئے لیکن فیض تو برابر جاری وساری رہتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کی زندگی کے ان چند واقعات کو ملاحظہ فرمائیے جس سے مذکورہ بیان کی تصدیق بھی ہوجائے گی اور مزید اعلیٰ حضرت کے صوفیٔ باصفا اور کامل ولی ہونے کا ثبوت بھی مِل جائے گا۔

"شیخ المحدّثین حضرت علاّمہ مولانا مولوی الحاج سیّد شاہ محمد دیدار علی صاحب الوری علیہ رضوان القوی کے صدر الافاضل حضرت علاّمہ مولانا مولوی حکیم شاہ نعیم الدّین علیہ رضوان المعین مُراد آبادی سے دوستانہ تعلقات بہت وسیع تھے۔ایک بار آپ مُراد آباد جلوہ آرا ہوئے تو صدر الافاضل نے فرمایا کہ بریلی شریف میں اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب جو ایک بہت بڑے عالم باعمل ہیں ان کی زیارت کے لئے چلئے۔شیخ المحدّثین نے فرمایا میں اُنہیں جانتا ہوں، پٹھان خاندان سے ہیں، طبیعت سخت اور غصّہ زیادہ ہے، الغرض مختصر یہ کہ حضرت صدر الافاضل اپنے دوستانہ زور کے تحت بریلی شریف لے گئے۔جب محلّہ سوداگران اعلیٰ حضرت کے درِ اقدس پر پہنچے اور اعلیٰ حضرت سے

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

مصافحہ ہوا تو حضرت شیخ المحزز تین نے کہا حضور مزاج کیسے ہیں؟"
تو سیدنا اعلیٰ حضرت نے فرمایا، سید صاحب کیا پوچھتے ہو پٹھان
خاندان سے ہوں، طبیعت سخت اور غصہ زیادہ ہے۔ حضرت
شیخ المحزز تین حیران تھے کہ مراد آباد میں ہم دو کے درمیان جو
گفتگو ہوئی تھی اعلیٰ حضرت نے اپنے کشف و کرامات سے
معلوم فرمایا اور وہی الفاظ دُہرا دیئے اور یہ بھی جان لیا کہ میں سیّد
ہوں، اللہ اکبر۔ اعلیٰ حضرت کی دست بوسی فرمائی، سلسلۂ عالیہ رضویہ
میں داخل ہوئے اور اسی وقت بارگاہِ اعلیٰ حضرت میں خلافت سے بھی
نوازے گئے۔"

(تجلّیاتِ امام احمد رضا۔ مولانا محمد امانت رسول قادری۔ ص:۵۶)

"۱۳۲۸ ہجری میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ رامپور کے نواب
صاحب کی بیگم جو شیعہ تھی بیمار ہوگئی۔ اعلیٰ حضرت سے اس بیگم کے
متعلق پوچھا گیا، اعلیٰ حضرت نے جواب دیا 'رفض' چھوڑ کر سُنّی ہو
جائے ورنہ شفا نہیں۔ وہ بیگم سُنّی ہونے پر رضا مند نہ ہوئی چنانچہ
مرض بڑھتا گیا۔ اسی سال آٹھ شوال کو دوسرا سوال کیا گیا کہ اس
کی موت کب تک اور کہاں ہوگی؟ اسی وقت تبدیلئ آب وہوا کی
غرض سے نینی تال میں مقیم تھی۔ اعلیٰ حضرت نے جواب دیا کہ
اس کی موت ماہِ محرّم میں ہوگی لیکن نینی تال میں نہیں بلکہ اپنے شہر

رامپور کے قریب ہوگی۔ بعض جلد باز لوگوں کو اس جواب کا پتہ چلا
تو انہوں نے ذیقعدہ ہی میں بُرا لکھنے شروع کر دیئے، دیکھیے وہ تو
ابھی زندہ ہے۔ انہیں جواب دیا گیا کہ ماہِ محرّم تو آنے دو، اگر محرّم
میں نہ مری تو جواب غلط ہو جائے گا۔ چنانچہ نواب صاحب نینی تال
میں مقیم تھے کہ کان پور کی مسجد شہید گنج کے ہنگامے میں لفٹیننٹ مسٹر
مسٹن کی بے چینی حد سے بڑھی تو نواب صاحب کو تار دیا کہ رامپور
آتا ہوں، جلد آکر مِلو۔ نواب صاحب اکیلے جانے کو تیار ہوئے
تو بیگم نے نہ مانا، بالآخر دونوں محرّم میں جیسے ہی رامپور کے قریب
پہنچے بیگم کا انتقال ہوگیا۔"

(تجلّیاتِ امام احمد رضا۔ مولانا محمد امانت رسول قادری رضوی۔ ص:۷۷،۷۸)

"۱۹۰۱ ہجری کا واقعہ ہے کہ جناب امجد علی صاحب ساکن بھینسوڑی
شکار کو گئے، گولی غلطی سے آدمی کے لگ گئی اور وہ مر گیا۔ احمد علی گرفتار
ہوگئے۔ پولیس نے آپ پر قتلِ عمداً ثابت کر دیا اور پھانسی کا حکم ہوا۔
کچھ احباب اعلیٰ حضرت سرکار کی خدمتِ بابرکت میں پہنچے اور عرض
کیا حضور امجد علی کو پھانسی کا حکم ہوگیا ہے، دُعا فرمادیں۔ اعلیٰ حضرت
نے فرمایا جایئے ہم نے اسے رِہا کیا۔ تاریخ سے کچھ پہلے لوگ ملاقات
کے لئے گئے اور رونے لگے۔ امجد علی صاحب نے کہا آپ لوگ جاؤ،
آرام کرو، اس تاریخ کو میں گھر پر آکر ملوں گا، میرے مرشدِ برحق

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

اعلیٰ حضرت نے فرمادیا ہے کہ ہم نے تجھے رِہا کردیا۔سب لوگ چلے گئے۔ پھانسی کی تاریخ پر والدہ ملنے گئیں اور رونے لگیں۔امجد علی نے اُن سے بھی کہا کہ گھر جاؤ انشاءَ اللہ گھر آ کر ناشتہ کروں گا۔اس کے بعد ان کو پھانسی گھر لے جایا گیا۔پھانسی دینے سے پہلے حسبِ دستور پوچھا گیا کہ کوئی خواہش ہے؟امجد علی نے کہا کیا کروگے پوچھ کر،میرا وقت ابھی نہیں آیا ہے۔سب حیرت میں تھے کہ یہ کیسا آدمی ہے،ادھر اُن کو تختے پر لے جا کر گلے میں پھندہ ڈال دیا کہ تار آتا ہے کہ ملکۂ وکٹوریہ کے بیٹے ایڈورڈ ہفتم کی تاج پوشی کی خوشی میں اتنے خونی اور اتنے قیدی چھوڑ دیئے جائیں،فوراً امجد علی کو تختے سے اُتار کر رِہا کر دیا گیا۔"

(تجلّیات امام احمد رضا۔ مولانا محمد امانت رسول قادری رضوی۔ص:۱۰۰،۱۰۱)

"اُن کی (اعلیٰ حضرت) زبانِ فیض ترجمان سے بہت سے بے علموں اور فاسقوں کو بھی صلاح و فلاح کی زندگی نصیب ہوئی۔ ایک بار قریباً چونتیس دن جبل پور میں قیام فرمایا تھا۔بے شمار مسلمانوں نے اپنے علانیہ و خفیہ گناہوں سے ان کے دستِ پاک پر توبہ کی..... اور زبان کی تاثیر یہ تھی کہ سیدھی سادی باتوں سے لوگوں کے دل اُمنڈ آتے تھے۔نہ جانے مدّتوں کے کتنے جھگڑے ان کی دو دو باتوں سے طے ہوگئے اور جو مسلمان باہمی

نزاع و آویزش جیسے عظیم گناہ کے مرتکب ہوتے چلے آرہے تھے چشمِ زدن میں یک جان و دل ہوگئے۔

جبل پور کا واقعہ ہے دو بھائیوں میں باہمی نزاع تھی چند کلمات کے بعد فرمایا، خوب سمجھ لیجئے آپ دونوں صاحبوں میں جو سبقت ملنے میں کرے گا جنت کی طرف سبقت کرے گا۔یہ فرمانا تھا کہ دونوں کے قلوب پر ایک برقی اثر ہوا اور بے تابانہ ایک دوسرے کے قدموں پر گر پڑے،آپس میں نہایت صاف دلی کے ساتھ لپٹ گئے،جوشِ محبت کی یہ حالت ہوئی کہ اگر حاضرین میں سے سنبھال نہ لیتے تو دونوں حضرات اس معانقۂ قلبی میں گر پڑتے۔"

(امام احمد رضا اور تصوّف۔مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی۔ص:۷۸)

"خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ محمد حبیب اللہ صاحب میرٹھی فرماتے ہیں۔ایک بار بریلی شریف سے بعد نمازِ فجر میرٹھ واپسی کا عزم کیا۔اسٹیشن جانے کے لئے تانگے پر سامان رکھوا دیا گیا اور سلامِ رخصت کے لئے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضری دی۔اعلیٰ حضرت نے جوابِ سلام کے ساتھ ہی فرمایا کہ ناشتہ کر کے جایئے انشاءَ اللہ تعالیٰ ٹرین مل جائے گی۔فرماتے ہیں مجھ کو قدرے تردّد پیدا ہوا اس لئے کہ ٹرین چھوٹنے میں بہت

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

ہی کم وقت رہ گیا تھا۔لیکن نہ جانے رفتن نہ پائے ماندن حکمِ
شیخ کے حضور سرِ نیاز خم ہوگیا۔تھوڑی دیر بعد ناشتہ آیا،ناشتے
سے فارغ ہوکر تانگے میں سوار ہوا اگر چہ گاڑی چھوٹ جانے
کا وقت گذر چکا تھا لیکن میرے قلب کو اطمینان تھا اس لئے
کہ اعلیٰ حضرت ٹرین مل جائے گی کی نوید دے چکے تھے۔
تانگے نے اسٹیشن پہنچایا،قلی نے سامان اُتارتے ہوئے
بتایا کہ ٹرین گئے ہوئے تقریباً آدھ گھنٹہ گذر چکا ہے۔
فرماتے ہیں میں اپنے پیر بھائی اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر
کے دفتر میں جاکر بیٹھ گیا اور ان سے کہا کہ اعلیٰ حضرت
نے مجھے اسی ٹرین کے مل جانے کی خبر دی تھی اس لئے مجھ
کو تو یقین ہے کہ ٹرین مل جائے گی۔ابھی یہ گفتگو جاری تھی
کہ فون پر اطلاع ملی کہ ٹرین کے انجن میں کوئی خرابی ہوگئی
ہے لہٰذا ٹرین واپس بریلی پہنچ رہی ہے۔فرماتے ہیں، یہ
خبر سُنتے ہی فرطِ مسرّت سے گریہ طاری ہوگیا۔گاڑی واپس
پہنچی اور تھوڑی دیر مرمّت کے بعد پھر روانہ ہوگئی اور میں باطمینان
سوار ہوکر میرٹھ پہنچا۔''

(تجلّیاتِ امام احمد رضا۔ مولانا محمد امانت رسول قادری رضوی۔ص:۱۰۴،۱۰۵)

سراج الفقہا حضرت مولانا شاہ سراج احمد صاحب فرماتے ہیں:

''زمانۂ طالب علمی میں ہمیں یہ بات سمجھا دی گئی تھی کہ مولانا احمد رضا
شاہ بریلوی قدّس سرّہ کی کتابیں پڑھنا ناجائز ہے۔اس لئے میں نے
اعلیٰ حضرت کی طرف توجہ نہیں دی۔حُسنِ اتفاق کہ مجھے میراث کے
ایک رسالے کی تصنیف کے دوران ایک مسئلے میں اُلجھن پیدا ہوئی،
میں نے اس حل کے لئے دیوبند،سہارنپور،دہلی اور دیگر بڑے
بڑے مراکز کو خطوط لکھے لیکن کہیں سے بھی تسلّی بخش جواب نہ آیا۔
آخر کار سب سے مایوس ہوکر میں نے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا
خاں رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں وہ سوال بھیجا۔اعلیٰ حضرت نے
صرف ایک ہفتے کے اندر جواب بھیج دیا۔اعلیٰ حضرت نے اس
مسئلے کو اس طرح حل کیا کہ تمام کتابوں کے اختلافات اور شکوک و
شبہات رفع ہوگئے۔اعلیٰ حضرت کے جواب کو دیکھنے کے بعد اعلیٰ
حضرت قدّس سرّہ کے متعلق میرا اندازِ فکر یکسر بدل گیا اور ان کے
بارے میں تمام خیالاتِ فاسدہ عقیدت سے بدل گئے۔پھر میں
نے اعلیٰ حضرت کی دیگر تصانیف بھی منگا کر پڑھنا شروع کر دیں
اور مجھے یوں محسوس ہوتا کہ جیسے میں اعلیٰ حضرت کی محض کتابوں
کا مطالعہ ہی نہیں کر رہا ہوں بلکہ شاہِ بریلی تاجدارِ ملّت اعلیٰ
حضرت وہاں تصرّف فرما کر میرے دل کے آئینے سے دیو
بندیت اور وہابیت کے زنگار کو دھونے اور مسلکِ مذہبِ اہلِ

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

سُنّت کی جلا بخشتے جارہے ہیں۔اس فتویٰ میراث کے جواب میں اعلیٰ حضرت کا مجھے سائل فاضل ہدا یہ اللہ (یعنی سائل عالم کو خدا راہِ راست پر لائے) کے لفظوں سے خطاب فرمانا اعلیٰ حضرت کی زبردست کرامت ہے گویا آپ نے اپنے کشف سے میری وہابیت کو معلوم کرلیا اور ذرّہ نوازی فرماکر جواب میں میرے لئے دُعائیہ کلمات لکھ دیئے جو میری ہدایت کا سبب ہے کہ جو وہابیت،دیوبندیت استاذوں کی شاگردی کی وجہ سے ملی تھی حضور کی نگاہِ کرم اور خدا کے فضل و کرم سے اُسی وقت سے جاتی رہی۔"

(تجلّیاتِ امام احمد رضا۔ مولانا محمد امانت رسول قادری رضوی۔ص:۱۲۰،۱۲۱)

"۱۳۳۴ ہجری بوقت تہجد پیلی بھیت میں محدّث سورتی مولانا شاہ وصی احمد قدس سرّہ کا وصال ہوا۔ادھر بریلی شریف میں اُسی وقت اعلیٰ حضرت قبلہ نے اپنے صاحبزادگان یعنی حجت الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں صاحب و بدر الاسلام حضور مفتی اعظم ہند قبلہ سے فرمایا،صبح پیلی بھیت جاتا ہے۔الاسد الاسعد الاشد الارشد مولانا شاہ وصی احمد رضوان الصمد کا ابھی وصال ہوگیا اور فرمایا،وہ دنیا سے کیا رخصت ہوئے بلکہ میرا داہنا ہاتھ مجھ سے جُدا ہوگیا؛

(تجلّیاتِ احمد رضا۔ مولانا محمد امانت رسول قادری رضوی۔ص:۹۸،۹۹)

"ایک صاحب بریلی شریف میں تھے جو علمائے کرام کی کچھ وقعت نہیں سمجھتے تھے۔ان کے خاندان کے چند احباب اعلیٰ حضرت سے بیعت تھے۔ایک دن اُن حضرات نے انہیں مجبور کیا اور کہا کہ چلو اعلیٰ حضرت کی زیارت ہی کرلو یہ خیالاتِ فاسدہ دماغ سے نکل جائیں گے،مجبوراً چلے، راہ میں ایک حلوائی کی دُکان پر گرم گرم امرتیاں بن رہی تھیں،دیکھ کر بولے،اچھا امرتیاں کھلاؤ تو چلوں گا۔ان حضرات نے کہا کہ واپسی میں کھائیں گے۔اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے،بیٹھ گئے کہ تھوڑی دیر میں ایک صاحب بیعت ہونے کے لئے حاضر ہوئے اور ایک ٹوکری میں گرم گرم امرتیاں لاکر رکھ دیں۔فاتحہ کے بعد سب کو تقسیم ہوئیں۔اس دربار کا قاعدہ تھا کہ ہر حصّہ داڑھی والے کو ڈبل اور بغیر داڑھی والوں کو ایک ایک بچوں کی طرح ملتا تھا اور سیّد کو چوہرا حصّہ ملتا تھا۔ان صاحب کو ایک ہی امرتی ملی کہ بغیر داڑھی کے تھے۔اعلیٰ حضرت نے فرمایا ان کو دو دیجئے،تقسیم کرنے والے نے عرض کیا،حضور یہ تو بچے ہیں ابھی داڑھی بھی نہیں نکلی۔اعلیٰ حضرت نے تبسّم فرمایا اور ارشاد فرمایا ان کا جی چاہتا ہے ایک اور دیجئے۔یہ کرامت دیکھ کر وہ صاحب بیعت ہوگئے اور علماء کی تعظیم کرنے لگے۔"

(تجلّیاتِ احمد رضا۔ مولانا محمد امانت رسول قادری رضوی۔ص:۱۰۱،۱۰۲)

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

قاری الحاج غلام محی الدین خاں صاحب خطیب شیری نے ایک واقعہ بیان فرمایا ہے:

''والد صاحب نے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں کچھ سوالات پیش کئے۔اعلیٰ حضرت نے اسی وقت جواب عنایت فرمایا،بعدہ والد صاحب نے اجازت چاہی۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا، آج نہیں کل جایئے گا لہٰذا اس دن اعلیٰ حضرت کے کاشانۂ اقدس پر قیام رہا۔شام کو کھانے میں مختلف قسم کے کھانے تھے اور شاہی ٹکڑے بھی تھے۔قاری صاحب کا بیان ہے کہ میں نے جب شاہی ٹکڑا کھایا تو وہ بہت لذیذ تھا۔میرے دل میں یہ خیال آیا کہ ایک شاہی ٹکڑا اور مل جاتا۔ادھر میرے دل میں یہ خیال آنا تھا، اُدھر اعلیٰ حضرت نے اپنے آگے سے شاہی ٹکڑا اُٹھا کر مسکراتے ہوئے میری طرف بڑھایا اور حکم فرمایا اندر سے شاہی ٹکڑے اور لائے جائیں۔والد صاحب نے عرض کیا حضور یہ بچہ میٹھا بہت کم کھاتا ہے،اتنا نہ کھا سکے گا نہ دیجئے۔اس پر اعلیٰ حضرت نے فرمایا ،غلام محی الدین کا جی چاہتا ہے،کھانے دیجئے ،بعدہٗ ایک شاہی ٹکڑا اور عنایت کرتے ہوئے فرمایا،بیٹا خوب کھاؤ میٹھا۔قاری صاحب فرماتے ہیں ،اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں یہ میری پہلی حاضری تھی ۔اس موقع پر اعلیٰ حضرت کی دو کرامتیں مجھ پر ظاہر ہوئیں۔ایک تو میرے دل کی بات پر مطلع ہونا۔

دوسرے میرا نام لے کر بتایا کہ غلام محی الدین کا جی چاہتا ہے۔

پھر والد صاحب نے عرض کیا،حضور اس بچے کے لئے علم کی دُعا فرمادیں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا، یہ بچہ بہترین عالم و قاری ہوگا یہ اعلیٰ حضرت کی دوسری کرامت تھی جو ۱۳۴۲ ہجری میں ظاہر ہوئی۔اعلیٰ حضرت کے وصالِ پُر ملال کے دو سال بعد جب جامعہ رضویہ منظرِ اسلام میں میری دستار بندی ہوئی اور سندِ فراغت ملی۔''

(تجلیاتِ احمد رضا۔ مولانا محمد امانت رسول قادری رضوی۔ص:۱۰۲،۱۰۳)

اِن واقعات کے مطالعے کے بعد اِس بات سے انکار ممکن نہیں کہ اعلیٰ حضرت صوفی باصفا اور ولی کامل تھے بلکہ اس بات کا نقش دل پر گہرا بنتا ہے کہ آپ اولیائے کاملین میں سے ہیں۔ یہاں اس بات کا ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اعلیٰ حضرت جس خاندان کے چشم و چراغ ہیں اس خاندان میں اعلیٰ حضرت کے آبا واجداد اہلِ دل اور صاحبِ ولایت بزرگ گذرے ہیں۔ اِس لحاظ سے اعلیٰ حضرت کا توارث اس قدر اعلیٰ وارفع رہا ہے کہ جس کی پوری آب وتاب ہمیں اعلیٰ حضرت کی ذاتِ با برکت میں دکھائی دیتی ہے۔توارث کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حضرت کے پیر و مرشد حضرت مولانا خواجہ سیّد شاہ آلِ رسول صاحب حُسینی رحمتہ اللہ علیہ کے خاندان اور سلسلۂ بیعت وخلافت میں بھی کئی بزرگ صاحبِ ولایت ہوئے ہیں۔اعلیٰ حضرت کے پیرومرشد نے پہلی ہی نظر میں یہ بات جان لی تھی کہ اعلیٰ حضرت کو صرف نسبت کی

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

http://ataunnabi.blogspot.in

ضرورت ہے۔ وہ آثارِ ولایت اور شانِ مجددیت اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اس وقت حاضرین سے اعلیٰ حضرت کے پیر و مرشد کا یہ فرمانا کہ ''لوگو تم احمد رضا کو کیا جانو''۔ اسی بات کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ خود اعلیٰ حضرت کے مریدین و متوسلین میں کئی بزرگ ولی ہوئے ہیں جو اعلیٰ حضرت کی نظرِ عنایت اور فیض بخشی کا بیّن ثبوت ہیں۔ مولانا اعجاز مدنی صاحب لکھتے ہیں:

''امام احمد رضا صرف مجدد و عالم ہی نہیں، کامل ولی اللہ ہوئے ہیں اور ہمارے درمیان آج بھی اسی طرح موجود ہیں جس طرح آپ اپنی جسمانی حیات میں فیض و برکات کا سرچشمہ سمجھے جاتے تھے۔ صرف پردہ ہے جو نظر کا ہے ورنہ آج بھی وہ ہماری مدد کر سکتے ہیں۔''

(المیزان، امام احمد رضا نمبر، مضمون، امام احمد رضا اور تعلیماتِ تصوف۔ اعجاز مدنی صاحب۔ ص:۲۲۳)

آپ کا فیض اِسی طرح رہے گا جاری
رحمتِ باریٔ تعالیٰ کا وسیلہ ہیں آپ

☆☆☆

کتابیات

نامِ کتاب	نامِ مصنف	سنِ اشاعت
قرآنِ مجید		
المیزان (ماہنامہ) امام احمد رضا نمبر۔	سیّد محمد جیلانی محامد	۱۹۷۶ء
امام احمد رضا، اربابِ علم و دانش کی نظر میں۔	مولانا یٰسن اختر مصباحی	۱۹۹۵ء
امام احمد رضا اور تصوّف	مولانا محمد اعظم علی مصباحی	۱۹۸۸ء
امام احمد رضا اور ردِّ بدعات و منکرات۔	یٰسن اختر مصباحی	۱۹۹۵ء
امام احمد رضا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے افکار۔	رضا دار المطالعہ پوکھریرا	۱۹۹۷
برکاتِ میلاد شریف۔	مولانا شفیع اوکاڑوی	---
تجلّیاتِ امام احمد رضا۔	مولانا محمد امانت رسول قادری رضوی	۱۹۸۷ء
تذکرہ اللہ والوں کا۔	سیّد شاہ عبدالحق صاحب	۱۹۷۱ء
ثوابُ العبادات۔	مولانا شفیع اوکاڑوی	---
حدائقِ بخشش (حصۂ اوّل)	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز	۱۳۰۵ھ
حدائقِ بخشش (حصۂ دوم)	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز	۱۳۰۸ھ
سنّی آواز (ماہنامہ) ناگپور۔	اکتوبر، نومبر، دسمبر	۱۹۹۷ء
سوانح اعلیٰ حضرت	علامہ بدرالدین قادری (بار اوّل)	۱۹۹۲ء
شرح سلامِ رضا	رضا اکیڈیمی، بمبئی (بار دوم)	۱۹۹۴ء
عشق کی سرفراز	علامہ ارشد القادری	---
عظمتِ اولیا	قاضی سیّد شاہ اعظم علی صوفی	۱۹۹۷ء
کشف الحقائق و اسرار دقائق	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ	

for more books click on the link
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari